A Reflection of Our Life

QUARTERLY YOON PESHAWAR

Jan-March 2017

Editor: M. Akbar Hoti

Co-Editor: Abdul Latif

Designing and Photography: Abdul Majid Khan

Illustration and Painting: Pir Hamid Khesgi

Advisory Council: Ajmal Khan, Naeem Safi, Riaz Khan

Languages and Literature Unit

Directorate of Culture Khyber Pakhtunkhwa, Peshawar

Contacts:

Phon: 0919211200

Fax: 0919211220

Email: yooneditor@culture.kp.gov.pk

Web: www.culture.kp.gov.pk/homepage/e_magazine

سه ماہی یون پشاور

جنوری تا مارچ ۲۰۱۷

مدیر! محمد اکبرہوتی

معاون مدیر! عبدالطیف

ڈیزائننگ و فوٹو گرافی ! عبدالماجدخان

السٹریشن و پینٹنگ: پیر حامد خویشگی

مشاورتی کونسل: اجمل خان، نعیم صافی، ریاض خان

اہتمام: زبان او ادب یونٹ محکمه ثقافت خیبرپختونخوا

رابطه:

فون: ۰۹۱۹۲۱۱۲۰۰

فیکس: ۰۹۱۹۲۱۱۲۲۰

ای میل: yooneditor@culture.kp.gov.pk

ویب سائیٹ: www.culture.kp.gov.pk/homepage/e_magazine

CONTENTS

6 حجرہ پشتون ثقافت کا ایک مرکزی ادارہ

8 چیلم سے وابستہ زبانی روایات

10 روائتی کھیل "دوسے"

12 پشتو فلموں کا عروج و زوال

13 شٹل کاک برقعہ

14 ہنرمند پختونخوا

15 خیبرپختونخوا میں اشاعت کتب

17 خیبرپختونخوا کی ثقافتی صنعتیں اور اسکی بقاء

18 چترال میں بولی جانی والی زبانوں کے مسائل

19 د پښتوژبې يو دردېدلے غزل گو شاعر پروفيسر

23 د شاهکار شاعری

25 دپښتو اولسی سندرې

29 کسب گر

33 کندھارا

35 پشور تے فت بال

38 کاوا خانہ

Our Literature And Contemprory Requirments 40

Creative Economy And Its Challenges In Kp 41

Socio-economic Causes Behind Devaluation Of Pashtun Values 42

Seminar In Im Sciences 43

Can You Understand The Words I Utter? 45

The Start Of Formal Art Education In Khyber Pakhtunkhwa. 47

Rivaval Of Indeginous Heritage Culture (rich) 48

Langari 40

اداریہ

محکمہ ثقافت کی تاریخ کا پہلا ای میگزین "یون" کے بنیادی مقاصد

مملکت خداد پاکستان دنیا کی بڑی تہذیبوں کی سرزمین ہے جس میں گندھارا دنیا کی سات بڑے تہذیبوں میں شامل ہے، جو دو ہزار سال پرانی تاریخ رکھتی ہے۔ خیبرپختونخوا گندھارا تہذیب کا اصل گڑھ ہے جو کہ جغرافیائی لحاظ سے پاکستان کا ایک نہایت اہم صوبہ ہے جس کے ساتھ چین اور افغانستان کی سرحدات بھی لگی ہوئی ہیں۔ خیبرپختونخوا کو صوبہ کی حیثیت 1901 میں دی گئ جسکا سابقہ نام شمال مغربی سرحدی صوبہ تھا جو کہ بعد میں آٹھارھویں ترمیم کے ذریعے نام تبدیل کرکے خیبرپختونخوارکھا گیا۔ یہ صوبہ تاریخی اعتبار سے وسطی ایشیا اور برصغیر کے دروازے کی حیثیت رکھتا ہے، قدرتی وسائل سے مالامال ملک کا یہ خطہ زبان و ادب اور ثقافت کے حوالے سے بھی رنگارنگی رکھتا ہے، صوبہ خیبرپختونخوا میں زبانوں کی تنوع اور رنگا رنگی کے ساتھ ساتھ مختلف ثقافتیں بھی ہیں جس نے اس صوبے کو ایک رنگین عکس بخشا ہے۔ صوبہ خیبرپختونخوا میں میدانی علاقے ،جنگلات، معدنیات، دریا، آبشار، جنگلی حیات، گیس اور تیل کےبڑے بڑے ذخائر موجود ہیں جو اس صوبے کی اصل دولت ہیں، چونکہ پچھلی کئی دہائیوں سے پورا ملک عمومی طور پر اور خیبرپختونخوا خصوصی طور پر دہشت گردی کا شکار رہا، تو اس دہشت گردی کی لہر سے صوبے کی ثقافت، ادب اور اقتصاد بھی بری طرح متاثر ہوچکی ہے۔ موجودہ حکومت نے ان عوامل کو مد نظر رکھتے ہوئے صوبہ خیبرپختونخوا کی اصل ثقافتی تصویر کو پھر سے بحال کرنے کا فیصلہ کیا ہے، کیونکہ اصل میں ثقافت کی بحالی ایک طرح سے اقتصاد کی بھی مضبوطی ہے۔ اس سلسلے میں محکمہ ثقافت نے ثقافتی ورثے کی بحالی کے لئے ثقافتی ماہرین کے زیر نگرانی نئے یونٹس کا آغاز کیا ہے جس میں تحقیقی و دستاویزاتی، تخلیقی معاش، کرافٹ اور بصری، زبان و ادب اور نیو میڈیا یونٹس کا قیام عمل میں لایا گیا ہے۔ متذکرہ بالا یونٹس خیبرپختونخوا میں ثقافتی صنعت کو مضبوط کرنے میں مہم کردار ادا کرہے ہیں، لیکن ان یونٹس کی تمام سرگرمیوں سے دنیا کو آگاہ کرنے کے لئے اور خیبرپختونخوا کی زبان و ادب اور ثقافت کی ترقی و ترویج اور قومی اور عالمی برادری کو آگاہ کرنے کے لئے ایک ای میگزین "یون"کا اغاز کیا جا رہاہے۔ "یون" خیبرپختونخوا کی چار زبانوں کا اجتماعی لفظ ہے، پالولا، اشوجو اور torwali زبانوں میں "یون" چاند کو کہا جاتا ہے۔ ذکرشدہ زبانیں خیبرپختونخوا کی وہ زبانیں ہیں جو کہ اب معدوم ہوتی جارہی ہیں۔ یہ زبانیں اس خطے کی قدیم زبانیں ہیں اور آریائی زبانوں کی فہرست میں شامل ہیں ۔ اسی طرح پشتو زبان میں "یون" چلن، رفتار اور سفر کو کہا جاتا ہے۔خیبرپختونخوا کے کلچر کی مثال سورج کی کرنوں کی طرح ہے جو اپنی روشنی چاند یعنی" یون" کو عطا کرتا ہے اور اسی "یون" کی روشنی سے ہماری پہچان کو تقویت ملتی ہے، اگر سورج ہمارا کلچر ہے تو یہ ای میگزین ہمارا "یون" (چاند) ہے، اسی طرح پشتو میں "یون" رفتار کو کہا جاتا ہے ۔ یعنی خیبرپختونخوا کا کلچر "یون" کے ذریعے اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہے۔ خدا کے فضل و کرم سے "یون" کی پہلی کاوش آپ کے زیر مطالعہ ہے۔اس ای میگزین کا بنیادی مقصد خیبرپختونخوا کے ادب و ثقافت کو ملکی اور بین الاقوامی سطح پر نمایاں کرنا ہے اور دنیا کو مثبت پیغام دینا ہے کہ خیبرپختونخوا ادب، ثقافت اور تہذیب کے حوالے سے ایک ممتاز حیثیت کا حامل ہے۔ اس میگزین میں شعوری طور پر یہ سعی بھی کی گئی ہے کہ اس میگزین میں خیبرپختونخوا کی مادی، غیرمادی او نیم مادی فوکلور کی ترقی وترویج کے لئے معلوماتی اور تحقیقی مضامین شائع کئے جارہے ہیں تاکہ پڑھنے والوں کو نہ صرف سیکھنے کے لئے مواد مل جائے بلکہ یہ ایک تاریخی دستاویز کی حیثیت بھی اختیار کر سکے اور آنے والی نئی نسل کے لئے روشنی کا مینار ثابت ہو۔ اس میگزین میں سینئر اور تجربہ کار محقیقین ادیبوں اور لکھاریوں کے ساتھ ساتھ نوجوان لکھاریوں کو بھی مواقع ملیں گے تاکہ وہ اپنا نکتہ نظر عوام کو پہنچائیں۔ ابتدا میں یہ سہ ماہی ہوگا لیکن وقت کے ساتھ ساتھ یہ مجلہ ماہانہ مجلے کی شکل میں تبدیل ہوجائے گا۔ اس میگزین میں محض ادبی اور ثقافتی مضامین شائع کئے جائیں گے اور اسکے علاوہ اس میں محکمہ ثقافت کی مختلف سرگرمیوں‌کی رپورٹس بھی شائع کی جائیں گی، اسی طرح اس ای میگزین کے ذریعے ریاستی بیانیہ اور پالیسی کو بھی ملک کی سالمیت کے لئے پیش کیا جائے گا۔

METAL CARVING

Metal Chitarkari is an art used to carve shapes and designs on metal, brass, copper and bronze. Primarily done by hands, several tools such as hammer, chanary, parkars, toopydana etc. are used. Sometimes silver and gold is also used to fill lines carved on products.

This art of engraving is also used on stones and wood, evident in the Hazara region.

Go to Content Page

حجرہ پشتون ثقافت کا ایک مرکزی ادارہ

نورالامین یوسفزئی

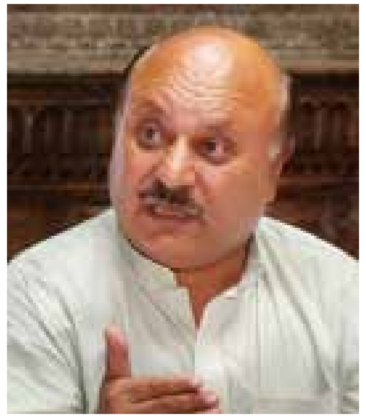

میرے خیال میں تو اس بات کی وضاحت کی چنداں ضرورت نہیں کہ "پشتو"محض زبان کا نام نہیں یہ ایک قانون اور نظام کا بھی نام ہے۔ جسے "پشتونو لی"بھی کہتے ہیں ۔برطانیہ کے دستور کی طرح پشتونوں کا یہ آئین بھی لوگوں کے سینوں میں رقم ہے۔یہی وجہ ہے کہ جب ایک پشتون کسی دوسرے پشتون کو کوئی غلط اور بزدلی کی حرکت کرتے ہوئے دیکھتا ہے۔ تو فوراً کہتا ہے کہ تم کیسے پشتون ہو تم میں تو پشتوبی نہیں ہے اس جملے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ تمہارا عمل یا پھر تمہاری یہ حرکت اس قانون کے خلاف ہے جسے پشتو یا پشتونولی کہتے ہیں۔

پشتون ثقافت کا یہ سارا نظام "پشتونولی"کی بنیاد پر قائم ہے اور پشتونولی کے بنیادی اداروں میں حجرے کو کلیدی حیثیت حاصل ہے یہی وجہ ہے کہ جب کوئی تعلیم یافتہ فرد بھی اس قانون کو توڑتا ہے تو پشتون سماج میں لوگ کہتے ہے کہ اس شخص کو حجرہ اور جو مات (مسجد) کا پاس نہیں ہے اس کا مطلب یہ ہوتا ہے۔ کہ یہ کبھی حجرے میں نہیں بیٹھا ہے اس لئے اس نے پشتونولی کا سبق نہیں سیکھا ہے حجرہ کے علاوہ گودر (پن گھٹ) اور رہٹ کو بھی ماضی میں پشتون ثقافت میں مرکزی مقام حاصل تھا جدید سہولیات نے ان دونوں اداروں کی ضرورت کو ختم کردیا ہے اب ہر گھر میں نلکا لگا ہوا ہے تو کسی خاتون کو پانی لانے یا کپڑے دھونے کے لئے گھر سے باہر جانے کی ضرورت ہی نہیں حالانکہ گودرکے ساتھ رومانس کا تصور بھی منسلک تھا اسی طرح بجلی اور ٹیوب ویل کے بعد بیلوں کے ذریعے کنویں سے پانی نکالنے کی بھی ضرورت نہیں رہی اسی لئے رہٹ بھی اپنی روایتی صورت میں باقی نہیں رہا، یہی وجہ کہ پشتونولی کی نئی نسل کو ان تمام ضرب الامثال اور ٹپو کی سمجھ بوجھ نہیں جن کا تعلق گودر(پن گھٹ) اور رہٹ سے تھا ۔ پشتو کے معروف شاعر ڈاکٹر اسرار نے کیا خوب کہا ہے کہ

خلق بدل شو کہ بدل شولو وختونہ
جینکئی نہ رازی گودر تہ

ترجمہ: لوگ بدل گئے یا پھر زمانہ بدل گیا کہ اب لڑکیاں پنگھٹ نہیں آتیں۔

دراصل انسانی تہذیب کوئی منجمدے شے نہیں ارتقا اور تبدیلی ایک اٹل حقیقت ہے مگر کسی بھی ثقافت میں بعض ادارے اور اس کے بعض حصے ایسے بھی ہوتے ہیں جو کہ نہ صرف نئے دور کے نئے تقاضوں سے ہم آہنگ ہوتے ہیں بلکہ تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ ان سے زیادہ فائدہ بھی اٹھایا جاسکتا ہے پشتونولی میں جرگہ اور حجرہ ایسے ادارے ہیں جو کہ اگر ایک طرف لازم وملزوم ہیں تو دوسری جانب آج کے پشتون اور آج کے ترقی یافتہ انسان کو اس کی زیادہ ضرورت ہے آئیے پہلے ہم حجرہ کے حوالے سے بات کرتے ہیں کہ حجرہ کیا ہے؟ ماضی میں اس کی کیا شکل اور پشتون سوسائٹی میں اس کا کیا کردار تھا اور آج کے دور میں اس کی کیا پوزیشن ہے۔ نیز ہم اکیسویں صدی میں اپنے اس قدیم ادارے سے کیسے استفادہ کر سکتے ہیں اس سلسلے میں سب سے پہلے "حجرہ "کے مفہوم کا جاننا ضروری ہے۔

مفہوم :

حجرہ عربی زبان کا لفظ ہے اور اس کے لفظی معنی ہیں کو ٹھڑی ، خلوت خانہ اور مسجد کے ساتھ ایک رہائشی کمرہ مگر اصطلاح میں پشتون سماج میں حجرہ ایک ایسی جگہ اور عمارت کو کہتے ہیں جو کہ سارے محلے کی ملکیت ہوتی ہے جس کی تعمیرمیں محلے یا پھر گاؤں کے تمام لوگوں

نے اپنے بساط کے مطابق حصہ لیا ہوا ہوتا ہے جبکہ محلے یا پھر گاؤں کے بڑے بزرگ اور خان محلے اور گاؤں کے تمام افراد کے مشورے اور مدد سے اس ادارے کو چلاتے ہیں یہ ایک ایسا ادارہ ہوتا ہے۔ جس میں سب کی رائے کو اہمیت دی جاتی ہے۔ تمام معاملات اور تنازعات پر باہمی مشاورت ہوتی ہے۔ البتہ محلے کے بزرگوں اور خاندان کے سربراہوں کی رائے کو زیادہ اہمیت دی جاتی ہے۔ دراصل حجرہ ایک کلب ہی ہے ایک تفریح گاہ بھی ایک فیصلہ گاہ اور جائے مشاورت بھی ہے یہ مساوی معاملات طے کرنے اور اس حوالے سے باہمی مشاورت کے طور پر اگر محلے یا گاؤں میں کوئی اجتماعی کام انجام دینا ہو اگر فصل کی کٹائی کا وقت ہویا پھر دوسرے ایسے کام کرنے پڑرہے ہوں جو کسی ایک فرد یا ایک خاندان کے بس کا روگ نہ ہوتو محلے کے افراد محلے کے حجرہ میں جمع ہو کر اس حوالے سے مشاورت بھی کرتے ہیں اور مسئلے کے حل کے لئے منصوبہ بندی بھی کرتے ہیں پشتو میں اجتماعی طورپر کوئی مادی سرگرمی انجام دینے کو "اشر"کہتے ہیں اور اشر کے لئے سار اپروگرام حجرے میں ترتیب دیا جاتا ہے۔ حجرہ محلے کی غم خادی خوشی غم کا مرکز بھی ہے جب کسی محلے میں کوئی فوت ہوتا ہے تو دوسرے محلوں اور دیہات کے لوگ متعلقہ خاندان سے اظہار تعزیت کے لئے محلے کے حجرہ میں آتے ہیں اسی طرح شادی اور منگنی کے موقع پر بھی محلے کے لوگوں کو حجرہ میں اکٹھا کیا جاتا ہے۔

حجرہ بنیادی طورپر ایک مہمان خانہ ہوتا ہے ۔ جہاں پر مہمان کو عزت کے ساتھ مفت کھانا اور رات بسر کرنے کے لئے بستر دیا جاتا ہے یہاں ایک اجنبی کو بھی وہ سب کچھ ملتا ہے۔ جو دوسرے معاشروں میں مدعو اور واقف لوگوں کو پیش کیا جاتا ہے۔ دراصل اجنبی سب لوگوں کا سانجھا مہمان تصور کیا جاتا ہے۔ حجرے کا ادارہ ہزاروں سال سے پشتون سماج میں مختلف ناموں سے موجود رہا ہے۔ اسلام سے پہلے بھی پشتون سماج میں حجرے اور جرگے کا تصور موجود تھا۔ البتہ اس زمانے میں حجرے کو "اُتل"کہا جاتا تھا۔ جب پشتونوں نے من حیث القوم اسلام قبول کیا تو پھر "اُتل"کو حجرہ کا نام دیا گیا۔

جیسا کہ کہا گیا ہے کہ حجرہ ہماری ثقافتی اور تفریحی سرگرمیوں کا بھی مرکز ہے ماضی میں حجرہ میں حقے کے ساتھ ساتھ ستار' رباب منگی (گھڑا) اور موسیقی کے دیگر روایتی آلات کے ساتھ سنگیت کے محفل سجا کرتے تھے یہی وجہ ہے کہ پشتو ٹپہ میں بھی حجرہ کا ذکر بہت آیا ہے مثال کے طورپر ایک غم زدہ دوشیزہ اپنے بے وفا محبوب کو اس انداز سے بددعا دیتی ہے۔

دجرے گوٹ درباندے پریوزہ
چہ دَ چیلم شپیلۍ دے خلہ کہ پاتے شینہ

حجرے کے اندر موسیقی کی جو محفل سجا کرتی تھی وہ اتنی پاک اور پوتر ہوتی تھی جتنی کوئل کی کوکو، جو شاعری سنائی جاتی تھی اس میں یا تو پشتونولی اور اس کے دیگر Dynamicsکا بیان ہوتا تھا یا پھر بہادر اور غیرت مندجوانوں کی بہادری کی داستانیں بیان کی جاتی تھیں۔

حجرہ میں محلے کے بزرگ اور بڑے بوڑھے اکٹھے ہوا کرتے تھے اور نوجوان ان بزرگوں سے سیکھا

کرتے تھے کیونکہ ان کی باتوں میں زندگی کا تجربہ بھی ہوتا تھا اور فہم وفراست بھی ہمارے تمام ضرب الامثال دراصل حجرہ کے آنگن میں تخلیق ہوتے ہیں اس حوالے سے اسے سماجی علوم کی ایک یونیورسٹی کی حیثیت حاصل تھی۔

حجرہ میں لوگ برابری کی بنیاد پر مکالمہ اور بات چیت کیا کرتے تھے اس سے معاشرے میں مکالمے Dialogueکے کلچر کو فروغ ملاکرتا تھا بلکہ آپس میں مشت وگریبان ہونے کے برعکس سردجنگ اور برداشت کا سبق سیکھا کرتے تھے۔

جرگہ فارسی زبان کا لفظ ہے اس کا ایک مطلب ہے سب کے سامنے کھل کربات کرنے کی ہر جگہ پشتون سماج میں جرگے کا اتنا احترام کیا جاتا ہے۔ کہ جو شخص جرگے کی بات ماننے سے ان کار کردیتا ہے یا منہ موڑ لیتا ہے تو اس کو جرگہ پلیت اور جرگہ بدرنگ کہا جاتا ہے۔ اور اسے اس کے بعد معاشرہ میں قدرکی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا۔حجرے میں ”جرگہ“بھی بلایا جاتا ہے۔ جرگہ ہماری ثقافت کا ایسا مضبوط ادارہ ہے کہ آج کی دنیا کو بھی اس فورم کی اشد ضرورت ہے کیونکہ قانون سزادیتا ہے۔ جبکہ جرگہ مسئلہ حل کرتا ہے۔ یہ ایک Dispute Resolution Bodyہے حجرہ میں جرگہ کے ذریعے جب فریقین کے درمیان مصالحت ہوتی ہے۔ تو اسے پشتو میں روغہ کہتے ہیں اور ”روغ“بیمار یا ٹوٹی شے کی ضد ہے یہاں کنہہ مشق، جہاں دیدہ اور بااعتماد بزرگ لوگوں کے تنازعات کا حل ڈھونڈتے ہیں بات چیت اور مکالمے سے معاملات طے کئے جاتے ہیں جو کہ شیوہ انسانی ہے کیونکہ انسان اپنے تمام تنازعات اور تمام معاملات بات چیت اور مکالمے سے حل کرتے ہیں جبکہ جانور مکالمے نہیں کر سکتے ان کے منہ میں کلو بھر زبان ہوتی ہے مگر پھر بھی ہم خود کو اہل زبان اور جانوروں کو بے زبان کہتے ہیں اور اسی لئے خالق بھی کہتا ہے۔ کہ میں نے انسان کو بیان کی قوت دی ہے گویا جرگہ اور حجرہ آج کے انسان کے بھی تمام مسائل حل کر سکتا ہے ننواتے، پٹکے اور تیگہ جر گہ کی مختلف صورتیں ہیں۔ ننواتے میں دشمن اپنے دیرینہ دشمن کی دہلیز پر جاکر پشیمانی کا اظہار کر تا ہے اور اس پر لازم ہو جاتا ہے کہ وہ اسے معاف کر دے جبکہ تیگہ عارضی فائر بندی کو کہتے ہیں۔ ماضی میں حجرہ زیادہ فعال تھا کیونکہ حجرہ محض سماجی ہی نہیں اقتصادی زندگی کا بھی مرکز تھا مگر زندگی کے بدلتے ہوئے دھارے اور تہذیب کی نئی کروٹوں نے ہماری ثقافت کے اس مضبوط، مثبت اور مرکزی ادارے کو بھی متاثر کیا ہے اگر چہ آج بھی پختونخوا میں اکثر دیہات میں حجرے آباد ہیں اور اکثر وبیشتر سماجی معاملات حجرہ کے آنگن میں طے کئے جاتے ہیں مگر بعض قصبوں اورخاص طورپر بڑے شہروں میں حجرہ یا تو سرے سے موجودہ نہیں اور اگر مردان اور پشاورکے مضافات میں حجرے آباد بھی ہیں تو ویران پڑے ہیں اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آج کے اس ترقی یافتہ دور میں ”حجرہ“کی ضرورت ہے کہ نہیں اور اگر ہے تو اس کی جدید شکل کیا ہونی چاہیے تو میرے تئیں آج کے پشتون کو حجرہ اور جرگے کی ضرورت ہے بلکہ ماضی کے مقابلے میں آج ہر پشتون کو ان دونوں اداروں کی زیادہ ضرورت ہے اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ اس اکیسویں صدی میں ایک جدید اور ماڈل حجرہ کی کیا صورت ہوسکتی ہے؟

قارئین نے دیکھا ہوگا کہ پشتون جب بھی کوئی نئی بستی سجاتے ہیں تو اس میں حجرہ نہیں بناتے، پہلے زمانے میں کوئی خیل یا کوئی محلہ آباد ہونے سے پہلے حجرے اور مسجد کا سوچا کرتے ہیں اب چونکہ پشتونوں کے اندر پشتون جینز تو موجود ہیں لیکن مہمان نوازی اور دیگر سماجی سرگرمیوں کے لئے اسے جگہ اور کوئی مقام تودرکار ہوتا ہے ’ اندر کی خواہش اور ذہنی رحجانات کے تحت وہ بیٹھک کی جگہ بڑے ”دیرے“تعمیر کرتے ہیں اور پھر اس دیرے کو حجرہ کی طرز پر چلانے کی ناکام کوشش کرتے ہیں۔ انفرادی طورپر بڑے بڑے دیرے آباد کرنے کے لئے انہیں لاکھوں، کروڑوں روپیہ خرچ کرنے پڑتے ہیں اکثر مشاہدے میں آتا رہتا ہے کہ صاحب ثروت لاکھوں روپے خرچ کرکے ایک ”دیرہ“بناتا ہے اور پھر اسے کلو برابر تالہ لگا کر بند کردیتا ہے۔

میرے خیال میں اگر نئے بننے والے محلے ، ٹاؤن شپ یا پھر آباد شہروں میں قریب رہنے والے لوگ ایک تنظیم بنائیں اور پھر وہ تنظیم تمام محلے یا پڑوس کے لوگوں سے چندہ اکٹھا کرے اور ہر نئے محلے میں مسجد کے ساتھ ایک جدید حجرہ بھی تعمیر کرے تو انہیں انفرادی طورپر ”دیرے“تعمیر کرنے پر لاکھوں روپے خرچ کرنے کی ضرورت نہیں پڑے گی بلکہ سارا محلہ اگر تین تین لاکھ روپے اکٹھا کرے تو ایک ایسا حجرہ بنا یا جاسکتا ہے جس میں ایک طرف روایتی اور ثقافتی رنگ نمایا ں ہو تو دوسری جانب انٹرنیٹ اور دیگر جدید انفارمیشن ٹیکنالوجی کو بھی اس حجرہ کی زینت بنایا جاسکتا ہے۔ اس کے علاوہ حجرہ میں ایک چھوٹی سی لائبریری بھی بنائی جاسکتی ہے اس طرح آج کے دور کا نوجوان مجبوراً حجرے کی طرف رخ کرے گا، حجرے کو چلانے کے لئے متعلقہ تنظیم چنددکانیں بناکر ان کے کرایہ سے اس کا خرچہ چلاسکتے ہیں اگر آج کے والدین نے اپنے بچوں کی تفریح ان کی تربیت اور ان کے بہتر مستقبل بارے میں اس حوالے سے سوچا تو اس طرح حال ’ماضی اور مستقبل آپس میں جڑ سکتے ہیں اور آج کے نوجوان کو مکالمے صحت مند تفریح اور سیکھنے کے لئے ایک فعال فورم ہاتھ آسکتا ہے جبکہ بڑے بوڑھوں کو بھی مل بیٹھنے اور اپنی جذباتی ضرورت پوری کرنے کا موقع مل سکتا ہے۔ حجرہ میں محلے بھر کے لوگوں کا آنا جانا ہوگا تو کوئی براآدمی کوئی بری سرگرمی کا سوچ بھی نہیں سکے گا۔

چیلم سے وابستہ زبانی روایات

قاری جاوید اقبال

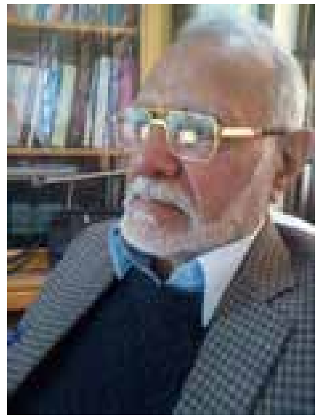

انسان چاہے جس قوم و قبیلے اور خطے سے متعلق ہو، اس کا اجتماعی شعور اُسے اس سماجی اور معاشرتی تقاضے کی طرف مائل رکھتا ہے کہ وہ اپنی مٹی اور مٹی سے اُبھرنے والی ثقافت و روایت سے رشتہ کسی صورت میں بھی نہ توڑے کہ اسی ثقافت روایت سے وہ اپنی مخصوص تہذیب میں داخل ہو کر اپنے علاقے اور خطے کا نمائندہ بنتا ہے۔ ہم جن باتوں اور حالات کو قدیم و جدید کے امتیازات سے جانتے ہیں، اگر ان پر غوروفکر کی ڈور کو ہلا کر سوچیں تو یہ حقیقت پوری طرح آشکار ہوجاتی ہے کہ جن واقعات و حالات میں انسان زندہ ہوتا ہے اور جن مشینی ایجادات کا مشاہدہ ہو رہا ہے، اُن کا سرا بھی قدیم کی اُن روایات سے ملتا ہے جنہیں ہم قدیم کے ثقافتی حالات میں دیکھتے اور پڑھتے ہیں۔ لیکن جو بات قدرتی اور فطرتی اصولوں کی بنیادوں پر استوار نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ بنی نوع انسان اپنے ذہن کی آسودگی اور دل کے اطمینان کو قدیم کے حالات اور روایات میں ہی تلاش کرتا ہے کہ بغیر اس کے نہ تو انسانی فطرت کے اطمینان کی کوئی سبیل ملتی ہے اور نہ ہی زمانہ حال کی کسی ترقی کا تصور مکمل ہوتا ہے اور نہ ہی مستقبل کے انسان کے عروج کی جانب کوئی راہنمائی ممکن ہے۔ مختصراً یہ کہ ہم زمانہ حال کی کسی اطمینان بخش فضا میں داخل ہی نہیں ہوسکتے جب تک کہ اپنے روایتی رشتوں اور زندگی کے معاملات کو ماضی سے جوڑے ہی نہ رکھیں ۔

ورثہ اُس وقت ورثہ ہے ہی نہیں جب تک کہ اُس کی معنوی حیثیت ماضی سے مربوط نہ ہو اسی نقطہ ثقافت و روایت پر ہی تاریخ کا وجود مبنی بر حق ہے ورنہ ماضی سے کٹ کر تاریخ کی کوئی حقیقت ہے ہی نہیں اگر آج کا کوئی جاگیردار و زمیندار کسی عظمت و بڑائی کا دعویدار ہے تو اُس کا دعویٰ انہیں مدفون و مردہ ہڈیوں کے مرہون منت ہے جن کی وراثت کا مالک بن کر وہ آج کی پرشکوہ زندگی سے لطف اندوز ہورہا ہے یا آنے والے وقت میں اُس کی نسل آسودہ حال زندگی کی تمنا رکھتی ہے۔ اسی طرح آج کی بڑی بڑی دیوہیکل مشینوں والی فیکٹریوں اور ملوں کا شور شرابا زمانہ ماضی کی پن چکیوں، اور جولاہے کی جولانیوں کے زیراثر چلنے والی کھڈیوں اور کمہاروں کی بھٹیوں سے واجب الممکنات ہے۔ اس لئے آج کے حالات و واقعات میں زندگی گزارنے والے انسان کو اس حقیقت کو اپنے ذہن میں محفوظ کرلینا چاہئے کہ آج کے حالات جس نوع و کیف کے بھی ہیں ماضی کے انسان کی چابکدستیوں کی وراثت ہیں اور یہی تاریخ کی اک سادہ سی حقیقت ہے جسے شاعر مشرق علامہ اقبال ان دو مصرعوں میں بیان کرتے ہیں :

یادِ رفتہ میری خاک کو اسیر ہے

میرا ماضی میرے استقبال کی تفسیر ہے

غرضیکہ ثقافت و روایت کے بغیر کسی تہذیب کے وجود کا کوئی تصور ممکن ہے ہی نہیں روایتی زندگی کا مفہوم و مطلب یہ ہرگز نہیں کہ روایت پر مبنی زندگی کے رنگ ڈھنگ کوئی عبث شئے کے درجے سے اُوپر والی کوئی چیز ہے ہی نہیں بعض حالات و واقعات میں تو وہ روایات جو غیر محسوس ہیں مگر زور آوری میں اتنی غیر معمولی شئے ہو جاتی ہیں کہ جن پر انسانی نفسیات اعصاب کی حقیقت نظرآتی ہے اگر مذہبی رجحانات کے پہلو سے اس کو پرکھا جائے تو اس قسم کی روایات مذہبی لوگوں کے عقیدے کی صورت میں پختہ تر ہیں اور اگر عام آدمی کے رجحانات کو سامنے رکھتے ہوئے ان حقائق پر سوچا جائے تو وہ جذبات و احساسات جو خطے و ماحول او مذہب و نظریہ کے انسان کی عادت و طبیعت کا لازمی حصہ ہیں انہی روایات پر اُن کی اٹھان ہوتی ہے ایسے میں وہ قصے اور داستانیں جنہیں نثری مقامی زبانوں میں بیان کیا جائے یا کہ منظوم انداز میں وہ ایک دم انسان کے دبے ہوئے احساس پر ضرب کاری لگا کر اُسے بیدار کردیتا ہے اس طرح لوگوں کی مقامی طور پر وہ روایتی زندگی جو کسی خاص طرز و حالت سے منسوب ہو تو اُس کا اظہار جب الفاظ کے روپ میں ہو تو وہ انسان کے اجتماعی احساس و جذبے کو بیدار کرنے کا ذریعہ ہوجاتا ہے مثال کے طور پر پشاور و مضافات میں بسنے والے لوگوں کی اجتماعی زندگی میں ''چلم نوشی'' کی جو روایت موجود ہے اس کو ماضی بعید سے لیکر زمانہ حال کے تسلسل تک اگر دیکھا جائے تو اس روایت کے اندر علاقے کی ثقافت کی جس پختہ کاری کا پتہ چلتا ہے اس کے ڈانڈے الفاظ کے روپ و جامے میں انسان کے اجتماعی احساس و جذبے میں جس خوبی سے اختصار کے ساتھ ملائے گئے ہیں جب اس کا مفہوم تشریح و ترجمہ کے ساتھ سامنے آجاتا ہے تو ہر خطے و فضا کا آدمی بلاتمیز متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا اس سے پہلے کہ میں علاقے کی زندگی کے اس روایتی پہلو کو بیان کروں یہ بتادینا ضروری سمجھتا ہوں کہ پشاور میں دو قسم کی باتوں کے حامل لوگ رہتے ہیں، ایک وہ جنہیں پشاور کا شہری کہا جاتا ہے اور وہ خاص پشوری ہندکو بولتے ہیں، دوسرے وہ لوگ جو کہ پٹھان قبائل سے متعلق ہیں اُن کی زبان پشتو ہے، ان دونوں گروہوں کی زندگی میں روایتاً جو طرز زندگی ہے وہ چلم نوشی سے متعلق ہے، بظاہر یہ ایک نشہ آور شئے ہے مگر اس میں تمباکو بھر کر جس خاص انداز و طور سے ''سوٹا'' لگایا جاتا ہے اس کے اثرات نہایت گہرے ہیں، وہ لوگ جو کہ شہری زندگی سے متعلق ہندکو دان ہیں ان کے گھروں میں مہمان خانے، بیٹھک کے طور پر معروف ہیں اور یہ چلم ہر گھر کی بیٹھک میں موجود ہوتی ہے جو آنے والے مہمانوں کیلئے مہمان نوازی کا ایک ذریعہ بھی ہوتا ہے اور گھریلو زندگی کی روایت کا ایک تسلسل بھی ہے اس چلم کی روایت سے متعلق بہت کچھ لکھا بھی گیا ہے اور گیتوں کے ٹپہ کی صنف میں بہت کچھ گایا بھی گیا ہے، چونکہ یہ چلمی روایت خاص کر پشتون یا پختون معاشرے کا ایک لازمی روایتی حصہ ہے جو دیہات کے ہر بڑے چھوٹے حجرے کی زینت ہے اور جس کے بغیر حجرے کا تصور ممکن نہیں ہوتا لہٰذا پشتو کے ٹپوں میں پختونوں کی روایتی داستانوں میں چلم کو ایک خاص موضوع بنا کر پیش کیا گیا ہے، پشتونوں کے علاوہ ہندکو دان شہریوں نے بھی چلم کی روایت کو کسی نہ کسی صورت میں پیش کیا ہے، مثلاً ہندکو کی پہیلیوں میں اس موضوع کو شامل کیا گیا ہے، ہندکو زبان کی ایک پہیلی ہے جو اکثر ہندکودان لوگوں کے گھروں کے زن و مرد اور بچوں اور بوڑھوں میں معروف ہے، جو اس طرح ہے:

اتنی جی بُگڑی بگ بُگ کردی

حسن پیارا پھڑ پھڑ کردی

اس پہیلی کا ٹھیک جواب چلم ہے۔ یعنی چلم کی روایت کا بیان شروع ہی سے بچوں کے ذہن میں ڈال کر اس بات کو پختہ کیا جاتا ہے کہ چلم سے پشاور کے شہریوں اور دیہاتیوں کا گہرا تعلق ہے، جو عام گھریلو زندگی سے لیکر یہاں کی مہمان نوازی پر بھی اثرانداز ہونے والی ایک روایتی شئے ہے۔

غرضیکہ چلم پشاور کے ہندکودان شہریوں اور پٹھانوں کے معاشرے اور سماج میں ان کی بیٹھکوں اور حجرں کا لازمی جز ہے، یہ چلم مہمان نوازی کا حصہ ہے ، مجلس کا سنگھار ہے اور سب سے بڑی بات یہ کہ غم و اندوہ کی کیفیت میں چلم کا سوٹا محبت بھرے دلوں کے ذکموں کی مرہم بھی ہے، ہزار ہا غم و اندوہ کی کیفیت ہو چلم غم و اندوہ کی شدت کے ہجوم میں مردوں کا ساتھ ہے مگر پشتو شاعری میں چلم کی روایتی زندگی کو جس طرح سے سمویا گیا ہے اس کی مثالیں نہیں ملتی اور شاعر کہتا ہے کہ چلم محبوبہ کو اس لئے پسند ہے کہ چلم کے نیچے پر محبوب کے ہونٹوں کا بوسہ ہوتا ہے۔ چنانچہ اس ٹپہ میں محبوبہ کہتی ہے:

چلم په شرع ناروا دے

په ما روا دے ، د یار غم غلطومه

ترجمہ: چلم شرع میں تو منع ہے ، لیکن مجھ پر اس لئے روا ہے کہ اس سے یار کا غم غلط ہوتا ہے۔

ما ئې د ښکلی چیلم زار کړې
چرې به سترې لالی خلهٔ ایښی وینه

ترجمہ: اس پیاری چلم کے صدقے جاؤں ، جس پر میرا تھکا ہوا محبوب منہ رکھتا ہے۔

محبت میں رقابت کا جذبہ بھی ساتھ ساتھ چلتا ہے، جس دل میں محبت کی آگ سینے کو پگھلا رہی ہو، اس دل میں رقابت کی چنگاریاں بھی سر اُٹھاتی ہیں یہی حال ایک پختون محبوبہ کا بھی ہوتا ہے وہ چلم کو اس لئے کوستی ہے کہا س کے محبوب کے ہونٹوں کا لمس چلم کے نچے کو چھوتا ہے ایسے میں محبوبہ کیلئے چلم رقیب بن جاتی ہے تو محبوبہ کیلئے رقابت و حسد کا جذبہ پیدا ہوجاتا ہےتو چلم کو یوں کہتی ہے:

چیلمه خداے کو چې دې مات کړم
مئین په ما دے غم په تا غلطوینه

ترجمہ: اے چلم خدا کی قسم تجھے توڑ کر رکھ دوں گی، وہ عاشق مجھ پر ہے اور دل تجھ سے بہلاتا ہے۔

چیلمه ښهٔ ئې، چې جانی
خلهٔ درباندې ږدی، ورسره دواړه لاسونه

ترجمہ: اے چلم تو مجھ سے بہتر ہے کہ میرا محبوب دونوں ہاتھ اور منہ سے تجھے چھوتا ہے۔

پھر جب محبوبہ اپنے محبوب کی چلم نوشی کی رغبت کو انتہائی درجے پر دیکھتی ہے تو محبوبہ اپنے محبوب کی اس درافتگی کا حل یہ ڈھونڈتی ہے کو جو شئے میرے محبوب کو پسند ہے اسے محبوبہ بھی پسند کرے کیونکہ پرخلوص محبت کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ محبوب کی پسند ہی دوست کی پسند ہوتی ہے اور پھر محبوبہ بھی اپنے محبوب کی پسند پر چلم نوشی کی عادت اپنا لیتی ہے اور کہتی ہے:

په کوټه سر کړه رادننه
په چلم زانګی تورې زلفی شنهٔ خالونه

ترجمہ: مرے محبوب تو آکوٹھڑی میں جھانک کے دیکھ، چلم پر سیاہ زلفیں اور سبز خال جھول رہے ہیں۔

پھر ان اشعار میں محبوبہ اپنے محبوب کو چلم سے اجتناب برتنے کی کس خوبصورتی کے ساتھ ترغیب دیتی ہے۔

په چلم چا عادت کړے یاره
د کاغذی شونډو نه خیژی شنهٔ رودونه

ترجمہ: میرے محبوب تجھے چلم کا عادی کس نے کیا ہے تیرے کاغذی ہونٹوں سے سبز دھواں نکلنے لگا ہے۔

اس کے بعد اس شعر میں چلم کے ساتھ محبوب کی ہرجائی کی طبیعت کو تشبیہہ دیکر نہایت ہی خوبصورت انداز میں محبوب کو چلم سے نفرت دلاتی ہے اور کہتی ہے:

داسې یاری خو نهٔ ده
کهٔ د چلم په نچه هر ښوک خلهٔ ایږدینه

ترجمہ: ایسے محبوب کی دوستی قبول نہیں جسے چلم کے نچے کی طرح ہر کوئی منہ لگائے۔

مگر جب ہر تدبیر و ترکیب بے اثر ثابت ہوتی ہے اور محبوب چلم نوشی کی عادت کو ترک نہیں کرتا تو پھر محبوبہ یہ تمنا کرتی ہے کہ وہ خود چلم اور اس کا دھواں بن جائے کہ محبوب کے منہ کے راستے اس کے دل میں اُتر جائے۔

ما د اشنا چلم دود کړې
چې د جانان زړهٔ د حال خبره شینه

ترجمہ: اے اللہ مجھے چلم کا دھواں بنا دے کہ محبوب کے دل کا حال معلوم کرسکوں ۔

ما د اشنا چلم نل وکړی
چې هر ساعت جانا خلې راباندې ږدینه

ترجمہ: اے اللہ مجھے چلم کی نل بنا دے کہ ہر وقت مجھ پر محبوب اپنا منہ رکھتا پھرے۔

چلم کے بارے میں پشاور اور پشاور کے معاشرے اور سماج سے متعلق جو بھی زبانی روایات گردش میں رہی ہیں ان کو شاعر نے اپنے شعروں کے ٹپہ کی صنف میں جس خوبی سے سمویا ہے جب ایک سندرغاڑے، یعنی پشتون گائیک اس ٹپہ کو گاتا ہے اور باجے کی آواز، طبلے کی تھاپ، رباب کی تاروں اور بانسری کی سروں میں مل کر جب یہ آواز اُبھرتی ہے تو یہ روایت چاہے جتنی روایت محض ہی کیوں نہ ہو، ایک زندہ حقیقت بن کر مشرق و مغرب ، افریقہ و عرب اور یورپ و ایشیا کے انسان کو ایک ہی طرح سے اس لئے پگھلا دیتی ہے کہ اس میں ہر بنی نوع انسان کے فطری جذبے اور احساس کی علمبرداری ہے اور یہی روایتی ثقافت سب انسانوں کیلئے امن و محبت کا لازوال درس دیتی ہے۔

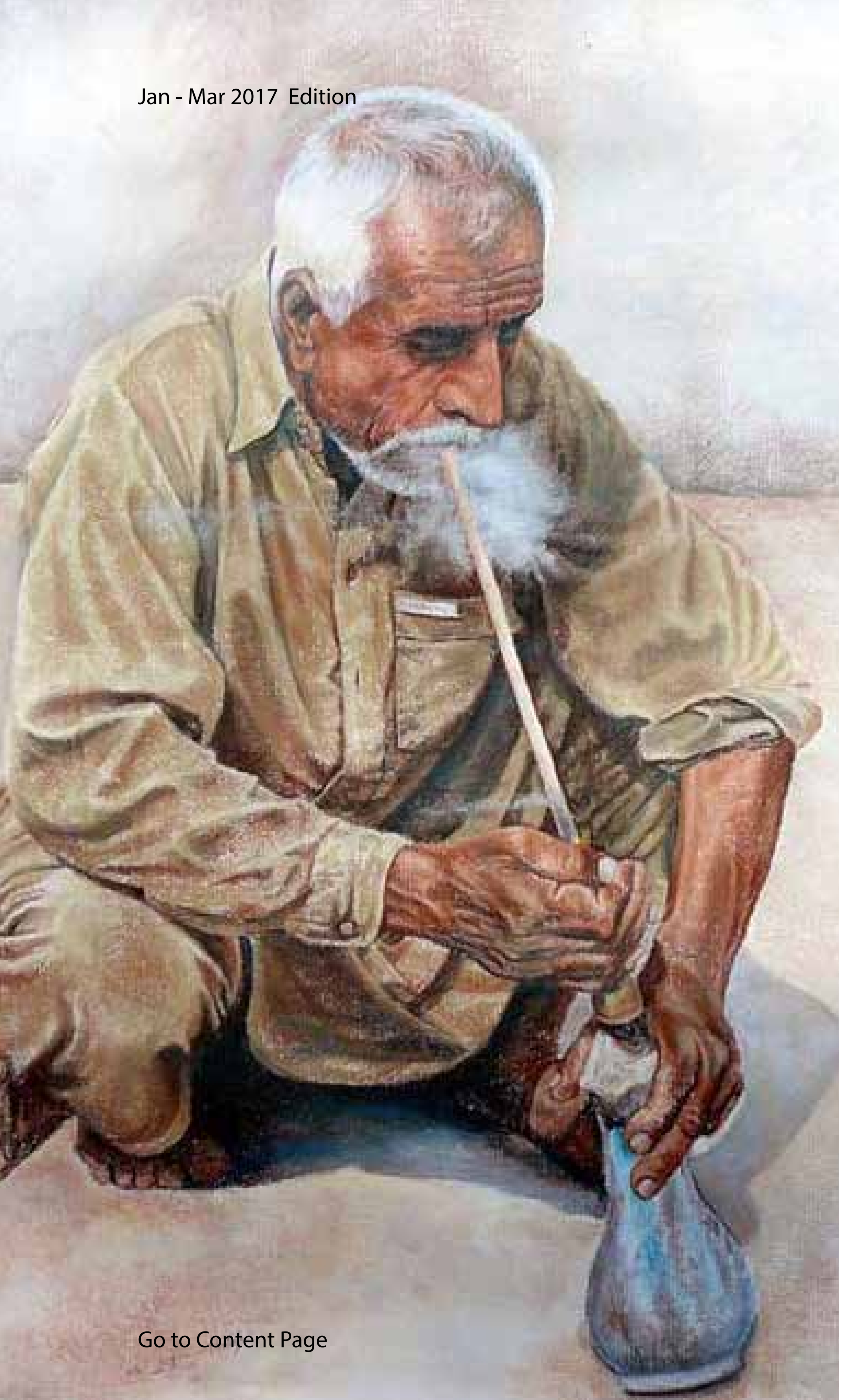

روائتی کھیل "دوسے"

محمد عثمان مردانوی

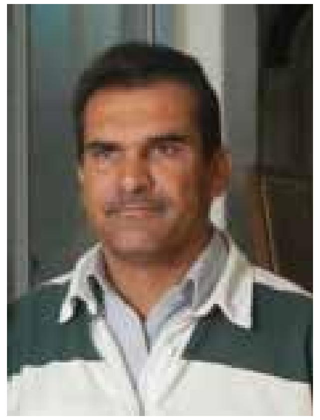

انسان جہاں بھی ہے اس نے اپنی تفریح کے لئے کچھ نہ کچھ کھیل بنائے۔ پختونخوا بھی دنیا کے ان خطوں میں شامل ہے جو ایک تابندہ تہذیب و ثقافت یعنی گندھارا تہذیب کا امین ہے اس خطے میں انسانی سرگرمیاں قدیم دور سے شروع ہوئیں

پختونخوا کا ایک ایسا قدیم کھیل دوسے (Dosai) جس کے بارے میں نوجوان نسل کو پتہ ہی نہیں اس بارے میں بہت کم معلومات ہیں یا شائد اسی اور نوے سال عمر کے بزرگ جانتے ہو۔

دوسے کھیل کب اور کس نے شروع کیا؟ اس بارے میں کوئی مستند کتاب یا دستاویز نہیں۔ لیکن نسل درنسل یہ کھیل جاری رہا۔

لیکن اس کے بارے میں ایک مضبوط ثبوت یہ ہے کہ جب سوات میں بدھ کدہ آثار قدیمہ کی کھدائی ہورہی تھی تو اٹالین آرکیالوجی ٹیم کو دوسرے نوادرات کے ساتھ ساتھ دوسے کا ایک سل slab بھی ملا جس پر ایک خاص ترتیب سے لیکیریں کھینچی گئی تھی اور ساتھ ہی پتھر کی گوٹیاں بھی ملی ہے اس بات کی دلیل ہے کہ یہ کھیل گندھارا یعنی پختونخوا کا قدیم کھیل ہے

بدھ کدہ کے آثار قدیمہ بدھ مت کے کھنڈرات خانقاہ (سٹوپے وغیرہ) کا تاریخ تیسری صدی قبل از مسیح سے پانچویں صدی عیسوی تک ہے اس سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ دوسے اس خطے کا قدیم ترین کھیل تھا دوسے کھیل مربع شکل میں ایک پتھر کو سل slab پر بنائی جاتی تھی پھر اس کے اندر دو اور مربع لیکیریں لگائی جاتی تھی اور پھر چاروں اطراف سے درمیان میں ایک ایک سیدھی لیکر لگائی جاتی تھی دوسے افراد دو افراد کھیلتے تھے یہ کھیل نو نو پتھر کی گوٹیوں سے کھیلی جاتی تھی

بنیادی طور پر دوسے کھیل دماغی ورزش کے طور پر کھیلے جانے والا کھیل ہے جس میں حاضر دماغی سے کام لینا پڑتا ہے

ہر کھلاڑی کے خلاف کھلاڑی کا گوٹیوں کا مارے دینے کے لئے پر عزم ہوتا ہے جب سامنے والا کھلاڑی مخالف کھلاڑی کے گوٹیوں کو مار دیتا ہے تو وہ فاتح ہوتا ہے دوسے کھیل ۱۹۸۰ کے دہائی تک دیہات تک موجود تھا اور چھوٹے بڑے اس کھیل کو شوق سے کھیلتے تھے لیکن اس کے بعد کمپیوٹر اور الیکٹرونکس کے جدید گیمز نے اس کو ختم کیا اور یہ کھیل نظرانداز ہوتے گیا یہاں تک کہ بہت سے لوگوں کے لئے یہ ایک مانوس اور معدوم کھیل ہے اس کھیل کے مثبت پہلوؤں کو مدنظر رکھتے ہوئے اسے دوبارہ نئے سرے سے معاشرے میں متعارف کردیا جانا چاہیئے ممکن ہے کہ یہ انسانوں کے درمیان بڑھتے ہوئے فاصلوں کو کم کرنے میں یہ کھیل بہت معاون ثابت ہوسکتا ہے۔

دوسے کھیل ۱۹۸۰کے دہائی تک دیہات تک موجود تھا

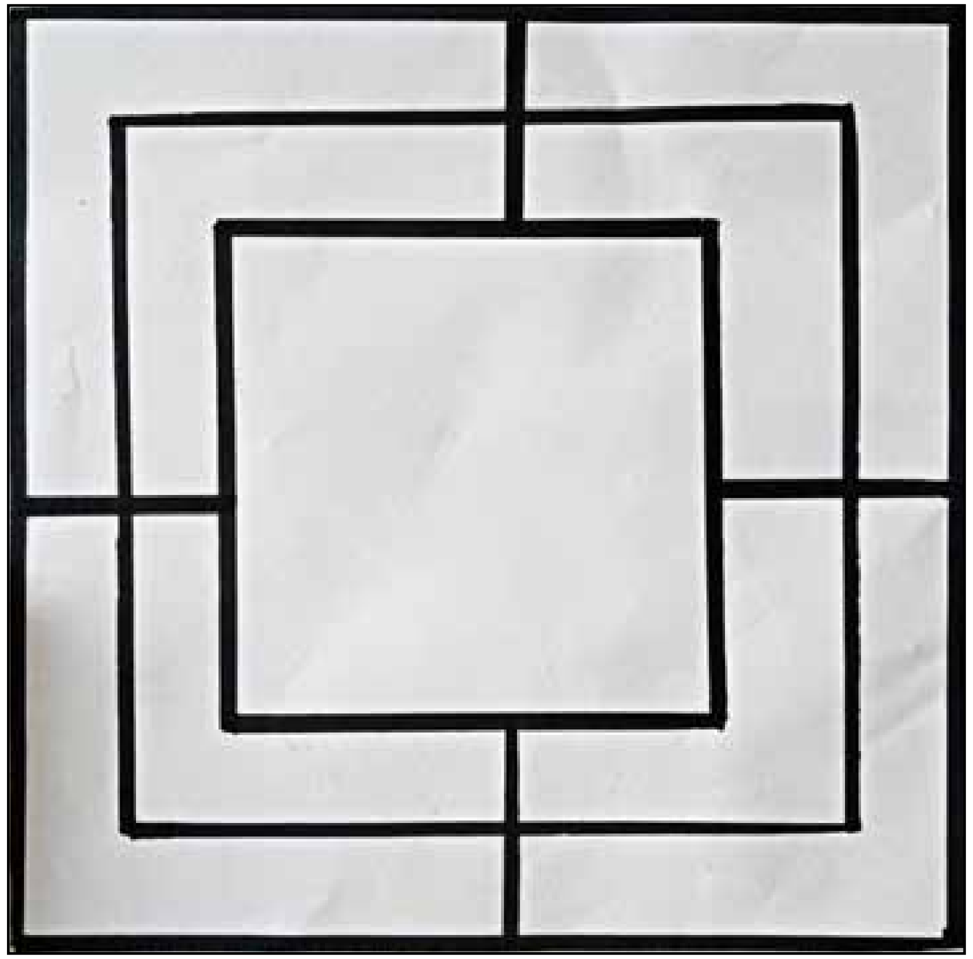

KARAKUL

"Karakul hat, popularly known as Jinnah cap in Pakistan, was much in use, till the late 1980s. It stood for 'an image' due to its symbolic association with the founder of Pakistan and was used by high officials and common citizens alike". Naeem Safi

The art is now in aging hands. Apart from a couple of artisans, located in Qissa Khwani Bazar, the work is now going towards extinction. For revival it needs to be promoted, preserved and used.

Go to Content Page

پشتو فلموں کا عروج و زوال

فخرالدین خویشگوی

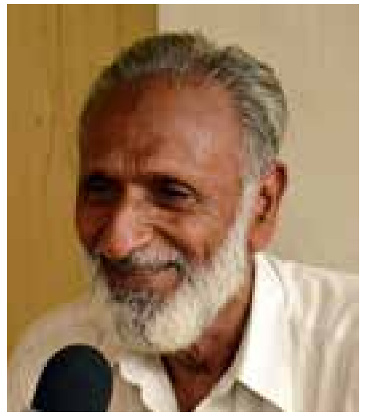

دنیا ایک کہانی ہے اور ہر شخص اس کہانی کا جیتا جاگتا کردار ہے۔ انسان کو خاد نے دنیا میں عبادت کے لئے پیدا کیا ہے سوچنے کے لئے دماغ اور دھڑکنے والا دل دیا ہے لیکن جب دولت اور ہوس کی لالچ انسان پر غالب آجائے تو پھر انسان کی سوچ ختم ہوجاتی ہے دنیا میں آتے وقت انسان کے پاس جرائم کی فہرست نہیں ہوتی او نہ ہی کسی کے ہاتھ میں شرافت کی سند ہوتی ہے پھر انسان اپنی انسانیت کا گلہ اپنے ہی ہاتھوں سے گھونٹ کر درندہ کیوں بن جاتا ہے کون سچا ہے کون جھوٹا ہے اسکا فیصلہ آپ کریں گے۔

اب میں آپ کی توجہ فلم کے عروج و زوال کی طرف دلانا

چاہتا ہوں

تاریخی اعتبار سے پشتو فلموں کا آغاز ۱۹۷۰ سے ہوا پشتو کے مشہور شاعر علی حیدر جوشی نے یوسف خان شیربانو تحریر کرکت پشتو فلموں کا آغاز کیا جسے ناظرین نے بے حد پسند کیا اور اس فلم کے ہیرو بدرمنیر اور ہیروئن یاسمین خان کو شہرت کے بلندیوں تک پہنچایا اور یو مصنفین کی توجہ پشتو فلموں کی طرف مبذول کرائی اگرچہ فلم میں جو لباس اور مقامات دکھاۓ گئے

کہانی کے لحاظ سے بہت اچھے اور خوبصورت تھے فلم کے ڈائیلاگ بھی سادہ اور آسان طرز کے تھے اس کے باوجود اس دور میں فلم بہت مقبول ہوئی۔ اور آج لوگوں کے ذہنوں میں ایک ایک سین نقش ہے بعد میں بہت ساری فلمیں لکھی گئی مثال لے طور اوربل، خانہ بدوش آدم خان درخانے، عجب خان افریدے، میرنے رور، اقرار، آب حیات وغیرہ وغیرہ۔ اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ وہ فلمیں کیونکر ہٹ ہوئیں اس لئے کہ اس میں پشتون کلچر اور معاشرے کہ سہی عکاسی کی گئی تھی۔ ناظرین میں اس لئے مقبول ہوئیں یہی وجہ تھی کہ سینما ہالوں میں لوگ دھڑا دھڑ کھچے چلے آرہے تھے۔

اور سینما ہال میں لوگوں کا ہجوم لگتا رہتا تھا۔ دراصل وہ فلمیں سبق آموز نصیحت آموز بامقصد اور

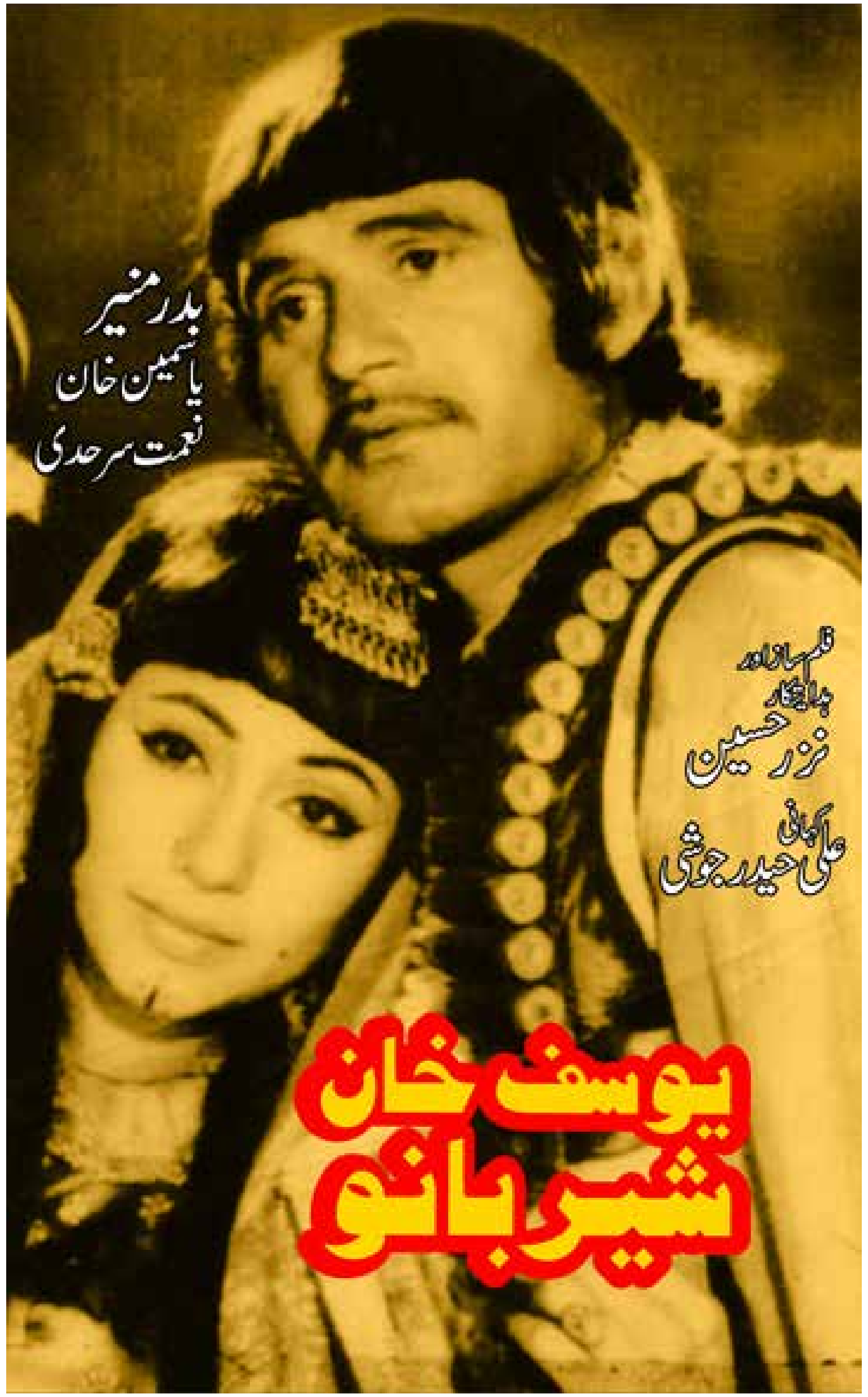

اصلاحی فلمیں تھیں فلم بین اسے دیکھ کر سبق حاصل کرتے تھے

فلم کی کہانی معاشرے کی کسی نہ کسی اچھائی برائی کو سامنے رکھ کر لکی جاتی تھی

مجھے آج بھی یاد ہے کہ ہمارے پڑوس کے دو سوتیلے بھائی آپس میں سخت دشمن تھے ان بھائیوں میں ایک بھائی نے پشتو فلم میرنے رور دیکھی تو دونوں بھائیوں نےآپس میں صلح کرلی اور سگے بھائیوں جیسے رہنے لگے۔ یہی وہ چیزیں تھیں کہ جنھوں نے پشتو فلم انڈسٹری کو دوام بخشی

مصنفین کا خیال تھا کہ ایسی کہانیاں لکھی جائے کہ ہر چھوٹا بڑا فلم دیکھ فخر محسوس کرے کہ اس نے فلم دیکھ کر دو یا تین گھنٹے ضائع نہیں کئے بلکہ اس سے سبق حاصل کیا فلم دیکھ کر ناظرین میں ملک و قوم کے لئے مرمٹنے کا جذبہ پیدا ہوجاتا۔ چونکہ ہر معاشرے میں اچھے برے لوگ ہوتے ہیں لالچی لوگ بھی ہوتے ہیں جو پیسے کی لالچ میں انہیں نہ اچھائی نظر آتی ہے نہ برائی

بدقسمتی سے پشتو فلموں کے ساتھ بھی کچھ ایسے ہوا، فلم انڈسٹری میں کچھ ایسے لوگ داخل ہوئے کہ انہیں صرف پیسہ کمانے کا خیال آیا اور لالچ میں آکر معاشرے کے ساتھ ساتھ پشتو فلم انڈسٹری کا بیڑہ غرق کردیا، نہ تو انہیں پشتون قوم کا خیال ذہن میں آیا اور نہ ہی پشتونوں کے غیرت کا خیال آیا اور نہ ہی فلم میں معاشرے نے بذات خود جتنی بھی اچھی فلمیں لکھیں حتی الوسع کوشش کی کہ اپنے اقدار اور کردار پر کوئی آنچ نہ آئے کھبی پشتون بھائیوں کی غیرت اور اقدار کی سودہ بازی کی

میں اللہ کے فضل و کرم سے آج بھی اپنے قوم اور معاشرے میں سرخرو ہوٓں کبھی بھی پیسوں کی لالچ میں آکر عریانی و فحاشی کا سہارا نہیں لیا

فلم وقت کی ضرورت ہے لوگوں کی تفریح کا ذریعہ ہے کلچر انفارمیشن کو شریک کرنے کا اہم ذریعہ ہے لوگ فلمیں دیکھنا چاہتے ہیں مگر ضرورت اس امر کی ہے کہ اچھی اور عمدہ فلمیں بنائی جائیں

آج کے ناظرین اس انتظار میں ہیں کہ کب پاکستان فلم انڈسٹری میں اچھی فلمیں بنے گی۔ جس طرح پاکستانی ڈرامے پوری دنیا میں مشہور ہیں بالکل اسی طرح فلمی دنیا میں محنت کی ضرورت ہے تب ہفلم انڈسٹری اپنا کھویا وقار حاصل کرسکتا ہے۔

شٹل کاک برقعہ

صائمہ حسیب

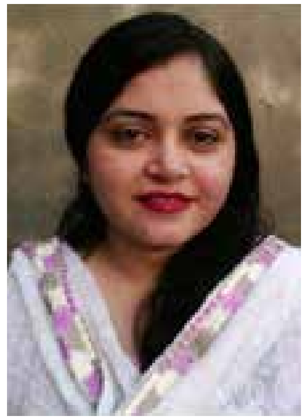

دوسری قوموں کے مقابلے میں پختون قوم نے زمانے کے بدلتے ہوئے حالات کی پرواہ کئے بغیر اپنی روایات اور ثقافت کو ہمیشہ سنبھالے رکھا ہے۔ اگرچہ پختون تاریخ کے شواہد ۵۲۴قبل مسیح سے بھی پہلے سے ہیں مگر ہم سترہویں صدی کے بعد کے حالات کا جائزہ لیں تو ہمیں پختون روایات اور ثقافت کی بے نظیر مثالیں ملتی ہیں جن کے اثرات آج بھی پختون قوم میں دکھائی دیتے ہیں۔ ان روایات میں سے مذہب کے ساتھ دلی لگاؤ پختون قوم کا وطیرہ رہا ہے۔ اور دین اسلام کے بنائے ہوئے دیگر اصولوں مثلاً نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کے ساتھ ساتھ پختون خواتین نے پردے کا بھی خصوصی اہتمام کیا ہے۔ اور باپردہ رہنے کیلئے شٹل کاک برقعہ کو گھر سے نکلتے ہوئے اپنے لباس کا اہم حصہ بنائے رکھا۔ اگرچہ زمانے کے بدلتے ہوئے حالات اور دن بدن ترقی کی رفتار نے بہت کچھ تبدیل کردیا ہے مگر ان سب کے باوجود پٹھان بہت مضبوطی کے ساتھ اپنی روایات کے ساتھ جڑا نظر آتا ہے۔

دنیا کا ہر حصہ اپنی خصوصیت کی بنیاد پر دوسروں سے مختلف حقیقت رکھتا ہے۔ لیکن اگر بات کی جائے خیبر پختونخواہ کی تو یہ دنیا کا واحد حصہ ہے جو اپنی بہت سی مثبت خصوصیات کی وجہ سے دوسروں سے بہت زیادہ ممتاز ہے۔ خیبر کے مرد وں کی بہادری اور دلیری کے قصے ہر زبان زدوعام ہیں۔ دنیا اس بات پر آنکھ بند کرکے یقین کرتی ہے کہ خیبر کے مرد اپنی جرات اور جواں مردی میں اپنی مثال آپ ہیں۔ ان سے زیادہ جری اور بے خوف قوم دنیا میں کوئی اور نہیں ہے۔ اس طرح پختون خواتین بھی اپنی حیاء اور پردے کے باعث ایک منفرد مقام رکھتی ہیں۔ گھروں میں رہنے والی باپردہ خواتین ہر قسم کے مسئلے میں اپنے مردوں کے شانہ بشانہ ہوتی ہیں۔ جُرت اور بہادری میں یہ اپنے مردوں سے کم نہیں ہوتیں۔

شٹل کاک برقعہ میں ملبوس خواتین اگرچہ بہت نازک اندام دکھائی دیتی ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے ہر اک کسی چٹان کی مانند اٹل اور مضبوط ہوتی ہیں۔ یہ شٹل کاک برقعہ پٹھان عورت کی پہچان ہے۔ آپ ان کودلائل سے یا زبردستی کسی بھی طرح اس پردے سے نہیں نکال سکتے۔ وہ اس معاملے میں دوسروں کے ہر دلائل کو رد کردیتی ہیں۔ اور اسی میں خود کو محفوظ تصور کرتی ہیں۔ اگرچہ حقوق نسواں کی بہت سی تنظیموں نے اور غیر ملکی میڈیا نے اس کو عورت کا استحصال قرار دیا ہے۔ اور پوری کوشش کی کہ پٹھان خواتین کو اس سے فرار کا راستہ دکھایا جائے۔ لیکن ان غیرت مند خواتین نے ان تمام کوششوں کو رد کردیا۔ ان کا کہنا یہ کہ اسلام ہمیں پردے کا درس دیتا ہے اور شٹل کاک برقعہ ہی اس سلسلے میں ہمارا مددگار ہے۔ آپ کو بتاتے چلیں کہ یہ برقعہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے منفرد ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کی بناوٹ ایسی ہوتی ہے کہ اس میں خواتین مکمل طور پر چُھپ جاتی ہیں۔ دیکھنے والے کو ان کی جسمانی ساخت اور نشیب و فراز کا اندازہ لگانا ناممکن ہوجاتا ہے۔ یہ شٹل کاک چڑی چکھا کی صورت میں ہوتا ہے اسی لئے اس کے نام کی نسبت بھی اسی سے ہے۔ اس کی ٹوپی سر پر رکھتے ہیں اور برقعے کی شال چاروں طرف سے عورت کو ڈھانپ دیتی ہے۔ دیکھنے والوں کی اچھی بری نظریں اس سے ٹکرا کر واپس پلٹ جاتی ہیں۔ پٹھان عورت کیلئے یہ برقعہ ایک مضبوط قلعے کی مانند ہوتا ہے اور وہ اس میں چُھپ کر بیرونی خطروں کا مقابلہ بڑی دلیری سے کرتی نظر آتی ہیں۔

> *مغربی دنیا میں حقوقِ نسواں پر بہت کام ہوا اور انیسویں صدی میں فرانس کی سرزمین سے شروع ہونے والی اس تحریک نے رفتہ رفتہ پوری دنیا میں اپنے قدم جمائے۔ اس تحریک کا مقصد خواتین کو سماجی حقوق کے ساتھ ساتھ حق رائے دہی دینا بھی تھا۔*

اس کے علاوہ خانگی و گھریلو تشدد سے نجات اور آبروریزی سے تحفظ بھی تحریک کا ایجنڈا تھا۔ اس تحریک کے مقاصد بہت اعلیٰ ہونے کے باوجود بعض اوقات تحریک نسواں پر کام کرنے والے اکثر اوقات حد سے تجاوز کرجاتے ہیں۔ ایسے ہی کسی موقع پر ایک ماڈرن سوشل ورکر خاتون نے ایک پٹھان خاتون سے کہا کہ اب زمانہ بدل گیا ہے آپ کو کیا اس برقعہ میں گٹھن کا احساس نہیں ہوتا۔ اب تو آپ اس سے چھٹکارا حاصل کرلیں۔ تو اُس کم تعلیم یافتہ پٹھان عورت نے تاریخی جواب دیا۔ اُس نے کہا کہ زمانہ تو اپنی رفتار کے ساتھ ترقی کرتا رہے گا۔ اگر اس کا تعلق پردے سے ہے تو آج میں گٹھن کا شکار ہوکر برقعہ اُتار دوں تو کل کو میری بیٹی دوپٹہ بھی اُتار دے گی اور اسی سوچ کے ساتھ کل میری پوتی کپڑے بھی اُتار دے گی۔ اس لئے آج میں اس روایت کی بنیاد کیوں ڈالوں۔۔۔ اگر ماڈرن ہونے کا مطلب بے لباس ہونا ہے تو سب سے زیادہ ماڈرن تو ہمارے جانور ہیں۔ پٹھان عورت کی جرت مندانہ جواب نے اُس سوشل ورکر کے منہ کو تالا لگادیا۔ یہہ صاف گوئی اور اپنے اقدار و ثقافت سے محبت پٹھان قوم کا خاصہ ہے۔ دنیا جس برقعہ کو پٹھان عورت کی مجبوری سمجھتی ہے وہ ان کے لئے ایک تحفظ گاہ ہے۔ یہ غیرت مند خواتین برقعہ کو اپنے زیور سے زیادہ اہم سمجھتی ہیں اور حیا ء کی نشانی گردانتی ہین۔ اگرچہ رفتہ رفتہ زمانہ بدل رہا ہے اب فیشن انڈسٹری نے عورت کی ضروریات کو مدِنظر رکھتے ہوئے نئے نئے قسم کے جدید مشینی برقعہ بناتے ہیں جو پردے اور جدت کا حسین امتزاج ہوتے ہیں اور خواتین میں بہت مقبول نظر آتے ہیں۔ مگر اس سب کے باوجود شٹل کاک برقعہ کی اہمیت نہ کم ہوئی ہے اور نہ کم ہوگی۔ بلکہ پٹھان عورت ہمیشہ اس شٹل کاک برقعہ سے اپنے مذہب سے محبت اور اپنی ثقافت کو اُجاگر کرتی نظر آتی ر ہیں گی۔

Go to Content Page

ہنرمند پختونخوا

مقبول مصور و خطاط رفعت خٹک

محمدآحسن زیب

خیبرپختونخوا ہر قسم ہنر کے حوالے میں بھی اپنی مثال آپ ہے۔ فن خطاطی ہو یا مصوری ، موسیقی ہو یا دستکاری روائتی کھیل ہو یا گھریلوں صنعت پختونخوا پورے پاکستان میں اپنی ہنرمندوں کی کاوشوں کی وجہ سے بین الاقوامی شہرت کا حامل صوبہ ہے۔ پختونخوا کیانہی ہنرمندوں میں ضلع نوشہرہ سے تعلق رکھنے والا رفعت خٹک بھی فن مصوری میں ایک اعلیٰ مقام رکھتا ہے۔ موصوف ۱۹۶۳ کو شیدو ضلع نوشہرہ میں سفیداللہ خان خٹک کے معزز گھرانے میں پیدا ہوئے، انہوں نے میٹرک اپنی آبائی گاوں سے حاصل کیا اور پھر ایف اے گورنمنٹ کال نوشہرہ سے حاصل کرلیا ہے ۔ بچپن میں رفعت خٹک محلے کی دیواروں پر چارکول سے تصاویر بناتے تھے ۔خطاطی کی تربیت اپنے سکول ماسٹر سراج الاسلام سراج سے حاصل کی ۔ سراج الاسلام سراج اس وقت کے ایک باصلاحیت خطاط، مصور اور شاعر تھے ۔ رفعت خٹک نے دریائے کابل کے کنارے ریت پر بھی نقش و نگار کرکے مصوری کی ہیں ۔ ایف اے کرنے کے بعد آپ نے باقاعدہ آرٹ کی تعلیم پی این سی اے اسلام آباد سے حاصل کرکے اب وزارت اطلاعات و براڈکاسٹنگ میں ہیڈ آف آرٹ اینڈ ڈیزائننگ کے عہدے پر ذمہ داری نبھارہے ہیں۔ فطرت اور کلچر رفعت خٹک کا بنیادی مضمون ہے اس کے علاوہ سوات کے آئی ڈی پیز پر بھی کام کرکے خوب داد وصول کی ہے۔ آپ آب رنگ، خطاطی اور ڈیزائننگ میں ماہر ہے، کئی ادبی کتب کے ٹائٹل بھی بنا چکے ہیں۔ آپ نے کئی اہم اداروں کے لئے لوگو بھی بنوائے ہیں جس میں وزارت آبادی و دیہی ترقی حکومت پاکستان اور بہت سارے غیرسرکاری تنظیمیں شامل ہیں۔ اس کے علاوہ قومی اور بین الاقوامی اداروں کے مختف ورکشاپس کے ذریعے سینکڑوں نوجوانوں کی تربیت بھی کی ۔ اس کے علاوہ آپ نے کئی ایوارڈز بھی جیتے ہیں جس میں پہلا ہینڈ میڈ کارڈز مقابلہ ۱۹۸۷ میں پہلی پوزیشن ، آل پاکستان کیلیگرافی مقابلہ ۱۹۹۰ میں دوسری پوزیشن، آل پاکستان آب رنگ مقابلہ ۱۹۹۳ پشاور میں دوسری پوزیشن، خصوصی انعام آل پاکستان پینٹنگ مقابلہ ۱۹۹۹، خصوصی انعام پوسٹر مقابلہ ۲۰۰۲ انسداد منشیات راولپنڈی، پہلی پوزیشن آل پاکستان پینٹنگ مقابلہ ۲۰۰۳، ۲۰۰۴ وغیرہ شامل ہے۔ اسی طرح سرکاری و غیرسرکاری اداروں سے درجنوں توصیفی اور تعریفی اسناد بھی حاصل کرچکے ہیں۔ آپ مختلف اوقات میں آرٹ کے مختلف مقابلوں میں جج کے فرائض بھی انجام دے چکے ہیں ۔ یقیناًآپ پختونخوا کے باصلاحیت ہنرمندوں میں شامل ہیں ۔

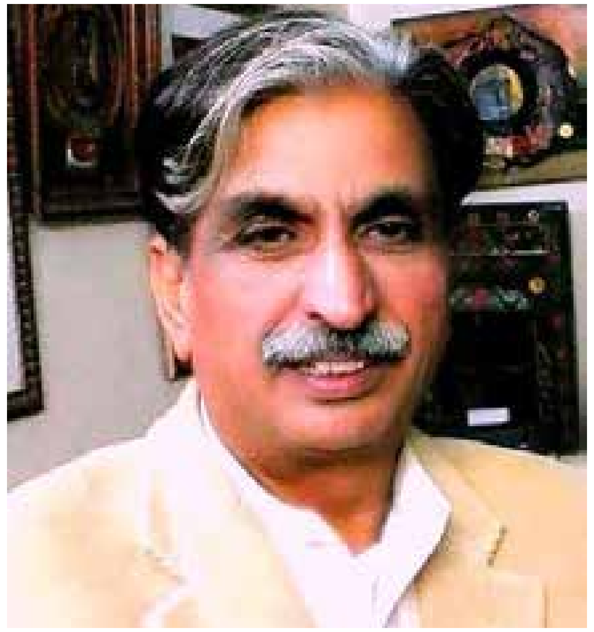

خیبرپختونخوا میں اشاعت کتب

تحریر! احتشام طورو

2016ء میں بحرانی کیفیت، کاغذ کی بڑھتی قیمتوں اور کتابیں پڑھنے والوں کی کمی کے باوجود پشتو ادب کی 2500کتابیں شائع ہوئیں اور پشتو کے لکھاری بالخصوص نوجوان شعراء ، لکھاریوں اور ریسرچرز نے اس سلسلے میں اہم کردار ادا کرتے ہوئے سال بھر ادبی تقاریب و سیمینار کا انعقاد کیا ، چند ادبی تنظیمیں بھی سوشل میڈیا، نجی ریڈیو اور ٹی وی چینلز پر متحرک نظر آئیں اور انہوں نے سال بھر چند نایاب ادبی نسخے متعارف کرائے ،پشتو کے ادبی ماہرین کے مطابق سال 2016ء میں رومانیت،جدیدیت ، قیام امن اور دہشت گردی کیخلاف آواز بلند کرنے کے موضوع پر 2500کتابیں شائع ہوئیں، پشتو ادب کی معروف لکھاری اور سابق ڈائریکٹر پشتو اکیڈمی مس شاہین نے بتایا کہ یہ بات بہت حوصلہ افزاء ہے کہ متعدد خواتین لکھاریوں نے ادب اور تحقیق کے شعبے میں اپنے جوہر دکھائے کیونکہ ایک پختون آدمی کو خواتین کی اہمیت کا ادراک ہے، انہوں نے کہا کہ گزشتہ سال روبب ملک ، بشریٰ خاتون، فرخندہ لیاقت ، بشریٰ فرخ، ثمینہ قادر، شاہدہ سردار، کلثوم زیب، زری لئیق اور دیگر نے اپنی اپنی تصانیف شائع کروائیں، سوات سے تعلق رکھنے والی نوجوان لکھاری زری لئیق نے انگریزی شاعری کی دوسری کتاب شائع کروائی تاہم خواتین لکھاریوں کو مواقع فراہم کرنے کی ضرورت ہے تاکہ ان کا ٹیلنٹ نکھر کر سامنے آئے کیونکہ لڑکیوں میں بہت ٹیلنٹ موجود ہے ،سال 2015ء کے مقابلے میں2016ء میں زیادہ خواتین نے پشتو نثر کے حوالے سے لکھا، کراچی ، کوئٹہ، پشاور ، بنوں ، نوشہرہ ، مردان اور سوات کے نجی پبلشرز اور ادبی تنظیموں نے شاعری، نثر، افسانہ،سفرنامہ ،میوزک، مذہب، آثار قدیمہ اور تعلیم کے حوالے سے درجنوں کتابیں شائع کیں، کراچی میں مقیم پشتو لکھاری مقام خٹک نے مختلف موضوعات پر اپنی سرپرستی میں 6کتابیں شائع کروائیں ، انہوں نے پہلی بار ''الفریڈ فرانسز بکن'' کی منتخب کہانیوں کا پشتو ترجمہ شائع کروایا،

پشتو سے پشتو لغت (ڈکشنری) بھی مکمل ، ڈائریکٹوریٹ آف کلچر نے بھی 33کتابیں شائع کیں، ہندکو کی 60کتابیں زیر طباعت ہیں)

پشاور کے ایک پبلشر اور نوجوان پشتو شاعر عامر خان نے بتایا کہ ممتاز اورکزئی اور شاہین بونیری کی نثر اور شاعری کی کتابیں مارکیٹ میں فروخت کے حوالے بہترین کتابیں رہیں، ان کے علاوہ پشاور میں کتابوں کی نئی دکانیں بھی کھل رہی ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہاں کتاب پڑھنے کا رواج پھر سے فروغ پا رہا ہے ، اس کے علاوہ 40اُردو کی کتابیں بھی شائع ہو کر مارکیٹ میں آئیں، جامعہ پشاور کی پشتو اکیڈمی نے گزشتہ سال تحقیق پرمبنی پشتو سے پشتو لغت(ڈکشنری) کی 8بھاری بھر کم کتابیں مکمل کیں اس سلسلے میں اکیڈمی کے ڈائریکٹر پروفیسر نصر اللہ وزیر نے بتایا کہ 13جلدوں پر مشتمل پشتو سے پشتو لغت (ڈکشنری) جو پہلے شائع ہو چکی ہے اب یہ ایک ہی جلد میں دستیاب ہو گی ، انہوں نے مزید بتایا کہ پشتو کتابوں کی مارکیٹ مستقبل میں مزید ترقی کرتی ہوئی نظر آرہی ہے کیونکہ نوجوانوں میں تاریخ، زبان، ادب اور ثقافت کے حوالے سے کتابیں پڑھنے کا شوق بڑھ رہا ہے، پشتو اکیڈمی نے 16پی ایچ ڈی سکالرز کو کامیاب قرار دیا جبکہ 6تحقیقی جنرلز ہائر ایجوکیشن کمیشن (ایچ ای سی) کو منظوری کیلئے بھجوانے کے ساتھ ماہانہ میگزین بھی (وائے)

(متعدد خواتین لکھاریوں نے اپنی تحقیق پر مبنی کتابیں شائع کروائیں ،خیبرپختونخوا میں کتاب پڑھنے کا کلچر فروغ پانے لگا، سٹور کھلنے لگے

گیٹیگری میں پہنچ چکا ہے، انہوں نے کہاکہ نوجوان لکھاریوں اور تحقیق کرنے والوں کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیے تاکہ وہ پشتو زبان و ادب کے حوالے سے مزید کام کریں ، سوات کے رہائشی پشتو شاعر عثمان اولس یار نے بتایا کہ ادبی و ثقافتی تنظیموں نے کتابوں کی اشاعت کے ساتھ ساتھ سوات میں تقریبات و سیمینار کا انعقاد بھی کیا جہاں سوات کے نوجوان لکھاریوں اور تحقیق کرنے والوں نے بڑی تعداد میں شرکت کی جس سے ثابت ہوتا ہے کہ سوات میںامن قائم ہو چکا ہے ،ان کے علاوہ عام لوگوں نے بھی اس سلسلے میں تعاون کیا ، ہندکو زبان کے سینئر لکھاری اور گندھارا ہندکو بورڈ کے وائس چیئرمین ڈاکٹر صلاح الدین نے بتایاکہ گندھارا ہندکو بورڈ نے بھی سال 2016ء میں ہندکو زبان کی 40کتابیں شائع کیں جبکہ 60کتابیں زیر طباعت ہیں ، انہوں نے کہاکہ ہندکو کتابوں کی مارکیٹ کے فروغ میں کچھ وقت لگے گا اور 1960ء کے بعد پہلی بار ہندکو کتابیں شائع ہو رہی ہیں اس کے علاوہ ہندکو کتابیں آن لائن پڑھنے کیلئے بھی دستیاب ہیں ، خیبرپختونخوا کلچر ڈائریکٹوریٹ نے بھی پشتو، اُردو ، ہندکواور چترالی زبان کی 33کتابیں شائع کرکے واضح کیا کہ معیاری کتابوں کی ان کے زیر نگرانی و سرپرستی اشاعت مستقبل میں بھی جاری رہے گی، کلچر ڈائریکٹوریٹ کے ایک اہلکار نے نام ظاہر نہ کرنے کی شرط پر بتایا کہ خیبرپختونخوا حکومت نے کتاب کلچر کے فروغ اور لکھاریوں کی حوصلہ افزائی کیلئے ان کی کتابوں کی اشاعت کیلئے بڑی رقم مختص کر رکھی ہے،

2016ء ، پشتو کی 2500 ہندکو اور اُردو کی 40،40 کتابوں کی اشاعت

حمزہ بابا ادبی جرگہ کے سربراہ اور سینئر شاعر کلیم شنواری نے بتایا کہ فاٹا میں بھی ادب فروغ پا رہا ہے اور 50کے قریب ادبی تنظیمیں اپنی مدد آپ کے تحت کتابوں کی اشاعت کے ساتھ ادبی و ثقافتی تقریبات و سیمینار کر چکی ہیں، انہوں نے کہاکہ خیبرپختونخوا کلچر ڈائریکٹوریٹ کی طرح فاٹا سیکرٹریٹ کو بھی قبائلی علاقوں میں ادب کے فروغ کیلئے کوئی سکیم متعارف کرانی چاہیے ، انہوں نے کہاکہ فاٹا میں بھی متعدد کتابیں شائع ہو ئیں ۔

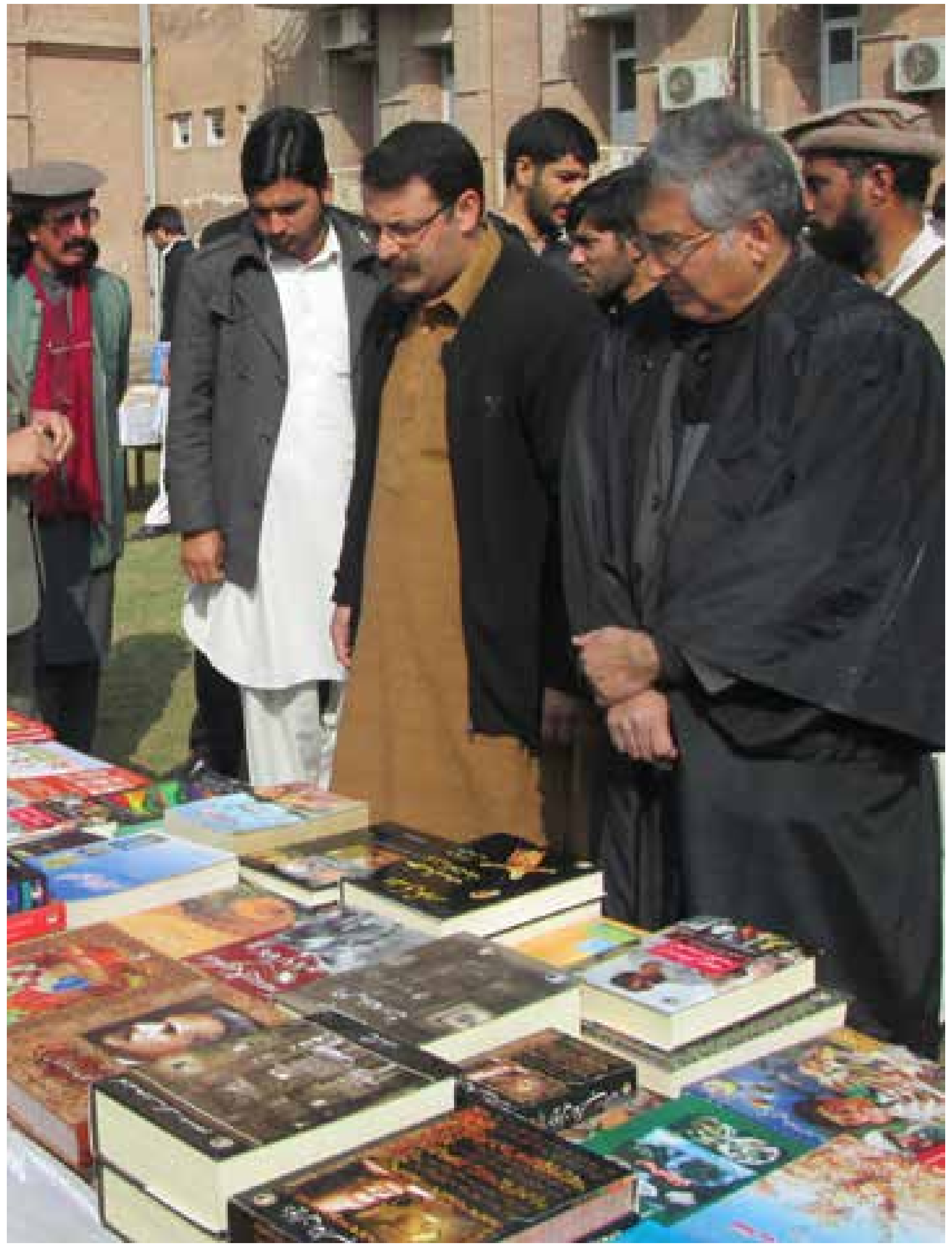

SARDAR ALI
A POTTER

Pottery is the ceramic material which makes up pottery wares, of which major types include earthenware, stoneware and porcelain. The place where such wares are made is also called a pottery. Pottery also refers to the art or craft of a potter or the manufacture of pottery.

Sardar Ali, who has been working in this profession from the last 15 years.

Pottery is his family occupation, he is already training students into this profession to preserve this craft and keep alive his family legacy.

Go to Content Page

خیبرپختونخوا کی ثقافتی صنعتیں اور اسکی بقاء

سلیم اللہ جان

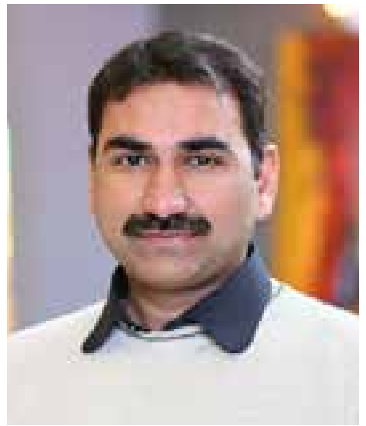

خیبرپختونخوا کی ثقافت دو ہزار سال پرانی ہے۔ خیبر پختونخوا ۹ نومبر۱۹۰۱میں صوبہ بنا جسکا نام شمال مغربی سرحدی صوبہ رکھا گیا اس صوبے کا اختیار ناظم اعلیٰ کو دیا گیا جو مشیروں کی مدد سے نظام چلاتا تھا اسکے بعد پھر با ضابطہ طور پر لارڈ کراون کی صدارت ۲۶ اپریل ۱۹۰۲کو اس صوبے کا افتتاح ہوا۔ اور صوبے کے پانچ اضلاع مختص ہوئے جن میں پشاور، ہزارہ، کوہاٹ بنوں اور ڈیرہ اسماعیل خان جبکہ مالاکنڈ کی تین ریاستیں دیر سوات اور چترال شامل کی گئی تھیں

۱۹۴۷ میں قیام پاکستان کے وقت متفقہ طور پر صوبہ سرحد کو پاکستان کو حصہ قرار دیاگیا۔ تہذیب و ثقافت میں یہ خطہ کئی سو سالوں کی قدیم روایات کا حامل ہے جس میں پشتو موسیقی، لوک موسیقی اور چترالی ستار کو خاص اہمیت حاصل تھا۔ پورے پاکستان کے تجارتی لوگ یہاں کا رخ کرتے تھے جسکی وجہ سے یہاں کے بازار پورے پاکستان میں مشہور تھے جن میں قصی خوانی بازار، بازار دالگراں، چترالی بازار اور پشاور کے دیگر بازار اور

تجارتی مراکز قابل ذکر ہیں

اس صوبے میں ہنرمندوں کی کثیر تعداد موجود تھیں جو یہاں کے ثقافتی صنعتوں سے وابستہ تھے، مثال کے طور دستکاری، میوزک (فنکاری) بصری فن ، مٹی کے برتن، دھات کا کام، لکڑی، کڑھائی،میزری، خطاطی اور مجسمہ سازی وغیرہ شامل ہیں

ہنرمند اپنی مصنوعات اور خدمات کو نہ صرف مقامی بلکہ بین الاقوامی مارکیٹ میں بھی بیھجتے تھے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ آبادی میں اضافہ ہونے کی وجہ سے ثقافتی صنعتیں طلب او رسد کی توازن برقرار نہ رکھ سکے کیونکہ ثقافتی صنعتوں میں ہم بیک وقت کثیر تعداد میں مال تیار نہیں کرسکتے تھے اور اسی دوران یعنی ۱۸۲۰ سے ۱۸۴۰ کے عرصہ میں جب صنعتی انقلاب برپا ہوا تو لوگوں کی طلب اور رسد کو پورہ کرنے کے لئے روائتی صنعتیں فروغ پانے لگی

اور بد قسمتی سے حکومتی سرپرستی بھی روائتی صنعتوں کی طرف بہت زیادہ ہونے لگی اور آہستہ آہستہ ہماری ثقافتی صنعتیں زوال پزیر ہونے لگی

دوسری بڑی وجہ افراط زر کی شرح میں اضافے کی وجہ سے ہنرمندوں کو اپنی ثقافتی صنعتوں سے روزمرہ ضروریات پوری کرنا مشکل ہوگیا اور رفتہ رفتہ لوگوں نے اپنے ہنروں کو چھوڑ دوسرے ذرائع معاش ڈھونڈنے لگے، ان خطرات کی وجہ سے ہنرمند اپنا ہنر اپنے بچوں کو منتقل کرنے سے بھی کترانے لگے

تیسری بڑی وجہ عالمگیریت (گلوبلائزیشن) ہے، جس کی وجہ سے ہماری ثقافتی صنعتیں کافی متاثر ہوئے ہیں

ثقافتی صنعتوں کی بقا کے لئے حکومتی سطح پر اس کے لئے قانون سازی کی ضرورت ہے کیونکہ ہم روائتی صنعتوں کا مقابلہ نہیں کرسکتے لیکن اگر ہم ثقافتی صنعتوں کی باقاعدہ طور پربرینڈنگ و ڈیزائننگ اور پیداوار کی اصلیت کے ساتھ ساتھ لوگوں میں ثقافتی صنعتوں کی اہمیت کا شعور اجاگر کرنے پر توجہ دیں تو یہ کوششیں کافی حد تک ہماری ثقافتی صنعتوں میں دوبارہ جان ڈال سکتی ہے۔

چترال میں بولی جانی والی زبانوں کے مسائل

فخرالدین اخونزادہ

ضلع چترال ۱۰ سے زائد زبانوں اور ان زبانوں سے وابستہ ثقافتوں کا مسکن ہے۔ ایک طرف حکومتی سرپرستی اور تعلیم کا حصہ نہ ہونے کی وجہ سے یہ علاقہ اس ثقافتی تنوع سے دن بدن محروم ہوتا جارہاہے تو دوسری طرف لکھائی کا نظام اور بولنے والوں میں آگہی نہ ہونے کی وجہ سے زیادہ تر زبانیں ختم ہونے کے خطرے سے دوچار ہیں، ذیل میں چترال میں بولی جانے والی زبانوں کے حوالے سے ایک مختصر مقالہ پیش خدمت ہے۔

۱۔ کھوار: چترال میں بسنے والی قوم "کھو" سے منسوب ہے، تاریخی لحاظ سے اس علاقے کو "کھوستان " لکھا گیا ہے بعض لوگوں کے نزدیک یہ کوہستان کی بگڑی شکل ہے۔ بہر حال چترالی بھی خود کو "کھو" ہی کہلانا پسند کرتے ہیں اس مناسبت سے "کھوار " اُنکی زبان ٹھہری۔ کھوار میں "وار" کا حصہ زبان کیلئے مستعمل ہے یعنی کھو قوم کی زبان ہے۔ کھوار چترال کی سب سے بڑی زبان ہے۔ یہ زبان چترال کے علاوہ گلگت ،بلتستان اورسوات کے کچھ علاقوں میں بھی بولی جاتی ہے۔ دیگر زبانوں میں اپنی زبان یا وراثتی زبان کو مادری زبان کہا جاتاہے لیکن کھوار کو باپ دادا کی بولی (تت ہیو زبان) جیسے منفرد لقب نوازا گیا ہے۔ پانچ لاکھ لوگوں کی اس زبان کوصرف ادب سے وابستہ لوگ لکھنے اور پڑھنے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ تعلیم کا حصہ نہ ہونے کی وجہ سے ہر ایک کھوار بولنے والا اپنی ماں بو لی میں لکھنے اور پڑھنے کی مہارت سے قاصرہے۔ اس زبان میں اگرچہ کافی تعداد میں کتابیں شائع ہوئی ہیں لیکن اب تک لکھائی کا ایک متفقہ نظام نہ ہونے کی وجہ سے تمام لکھاریوں نے مختلف طریقے استعال کیے ہیں خاص کرکھوار املا میں کافی مسائل ہیں ۔ کھوار املا کو معیاری بنانے کے لیے ایک مرکزی" املا کمیٹی" کی اشد ضرورت ہے ۔

۲۔ پلولہ: یہ زبان جنوبی چترا ل میں عشریت اوربیوڑی وادی کے علاوہ گوس اور پُری گاڑ کے دیہات اور کلکٹک کے کچھ گھرانوں میں بولی جاتی ہے ۔ اس زبان کےبولنے والوں کی تعداد اس وقت تقریباًپندرہ ہزار کے لگ بھگ ہے لیکن اس کے بولنے والوں کی تعداد تیزی سے کم ہو رہی ہے۔ دوسری زبان بولنے والے کے ساتھ شادی بیاہ ، آبائی علاقوں سے نقل مکانی اور دوسروں کی زبان کو فوقیت دینا اہم وجوہات ہیں۔ گزشتہ چند سالوں سے اس زبان کو دستاویزی شکل دینے کی سرگرمیاں انجمن ترقی پلولہ کی زیرِ نگرانی شروع ہوچکی ہیں جن میں لُغت کی تالیف، قواعد اور خواندگی مواد کرنا جیسے کام شامل ہیں۔ سوئیڈن سے تعلق رکھنے والے پروفیسر ہنرک لیلگرین کی پی ایچ ڈی کا مقالہ اسی زبان کے گرامر پر مشتمل ہے۔

۳۔ دمیلی: یہ زبان زیریں چترال کے شہر دروش سے ۳۰ کلومٹر جنوب میں دمیل وادی میں بولی جاتی ہے۔ اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد پانچ ہزار ہے۔ اس زبان کے حروفِ تہجی وضع کے گئے تھے، پچھلے سال فورم فار لینگویج انشیٹوز (ایف ایل آئی) نے ایک پروجیکٹ کے تحت جن چار زبانوں پر کام مکمل کیا تھا دمیلی بھی اُس فہرست میں شامل ہےاُس پروجیکٹ کے تحت دمیلی کے لئے مجموعہ الفاظ ترتیب دئیے گئے، لوک داستانیں اکھٹی کی گئیں دمیلی بولنے والی برادری سے کچھ لوگوں کو دمیلی زبان پر تربیت بھی دی گئی جو سکول ٹیچر، رسرچر یا لکھاری ہیں، ہم امید کرتے ہیں کہ وہ دیگرکو بھی اپنے ساتھ شامل کرکے اپنی زبان کو لکھنے کیلئے بھی استعمال کریں۔ عصمت اللہ دمیلی اور حیات خان کے ساتھ دوسرے لوگ اس زبان پر بہت اچھا کام شروع کرچکے ہیں۔ حال ہی میں سوئیڈن سے تعلق رکھنے والے ایک اور نوجون ایمل پارڈر نے اس زبان میں اپنی پی ایچ ڈی کا مقالہ لکھا ہے ۔

۴۔ گوارباتی: یہ زبان تحصیل ارندو میں پاک-افغان سرحدی دیہات یعنی ڈیورنڈ لائن کی اطراف میں قائم بستیوں میں بولی جاتی ہے ۔چترال کے دیہات ارندو اور ارندوگول میں اس زبان کے بولنے والے رہتے ہیں۔ پاکستانی علاقوںمیں اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد تقریباً دو ہزار ہے۔ یہ انتہائی خطرے سے دوچار زبان ہے۔ اس زبان کے بولنے والےتیزی سے پشتو زبان اختیار کررہے ہیں۔ یہ زبان ابھی تک دستاویزی صورت میں موجود نہیں تھی، درج بالا پروجیکٹ میں ہم گورباتی پربھی مذکورہ کام کرچکے ہیں، اب یہ زبان محض آوازوں کا ہی مجموعہ نہیں بلکہ الفاظ کی حامل ہوگئی ہے۔گورباتی کمیونٹی میں بہت محنتی لوگ آگے آئے ہیں وہ نہ صرف اپنی زبان سے پیار کرتے ہیں بلکہ اسے بچانے کیلئے کام کرنا بھی چاہتے ہیں۔

کلاشہ: ۵۔ کلاشہ: زبان اب صرف بمبوریت، رمبور ، بِریر اور اُرچون کی وادیوں تک محدود ہوگئی ہے پہلے یہ زبان پورے شمالی چترال میں بولی جاتی تھی۔ یہ زبان دوسری زبانوں کی بہ نسبت معدوم ہونے کے خطرے سے ذیادہ دوچار ہے۔ اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد اب گھٹ کر تین ہزار کے قریب رہ گئی ہے ۔ اس کی معدومیت کی اہم وجہ مذہب کی تبدیلی ہے۔ کیونکہ کلاشہ لوگ مذہب کی تبدیلی کی صورت میں زبان بھی تبدیل کرلیتے ہیں، لیکن اُرچون وادی میں اس زبان کو 'اُرچونی وار' بھی کہتے ہیں ۔نام کی تبدیلی کی وجہ سے یہا ں کی مسلمان کمیونٹی میں اب بھی موجود ہے۔

یدغا: یہ زبان گرم چشمہ کے بالائی دیہات میں بولی جاتی ہے۔ یہ زبان بھی معدومی کے خطرے سے دوچار ہے۔ اس وقت اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد پانچ ہزارسے بھی کم ہے۔ ختم ہونے کی اہم وجہ یہ ہے کہ لوگ اپنے بچوں سے بات چیت کرتے وقت اس پر کھوار کو فوقیت دیتے ہیں۔ یدغا لینگویج اور کلچرل سوسائٹی اس زبان کو بچانے کی کوشش میں لگی ہے۔ یدغا بھی اُن چار زبانوں میں سے ایک ہے جن پر ایف ایل آئی نے اپنے ڈاکومنٹیشن پروجیکٹ میں کام کیا۔ یدغا زبان کے گرامر وغیرہ کام ہوچکاہے اور کہانیوں کو بھی ریکارڈ کرنے کے ساتھ ساتھ ضبط تحریر میں لایا جاچکاہے، اس پروجیکٹ کی بدولت یدغا زبان کیلئے لکھنے کا نظام وضع کیا گیا ہے اور امید ہے کہ یدغا کمیونٹی اب اپنی زبان میں لکھنے کی تحریک چلائیں گے اور اپنی زبان کو مضبوط کریں گے تاکہ یہ خوبصورت تاریخی زبان اپنے حملہ آور دیگر زبانوں کا مقابلہ کرسکے۔ یاد رہے یدغا مشہور صوفی پیر شاہ ناصر خسرو کے ہمسفروں کی زبان تھی جن کا تعلق افغانستان کی طرف منجان سے تھا۔

مڈک لشٹی: یہ زبان فارسی کی ایک بولی ہے ۔ شیشی کوہ دادی کے آخر ی گاوں مڈک لشٹ میں بولی جاتی ہے۔ مڈک لشٹی زبان بولنے والے صدیوں پہلے بدخشان سے ہجرت کرکے یہاں آباد ہوئے ہیں ۔ اس کے بولنے والوں کی تعداد پچیس سو ہے۔ ایک بین الاقوامی زبان ہونے کے باوجود یہ زبان چترال میں لکھائی اور پڑھائی کے لیے استعمال نہیں ہوتی ہے۔

۶۔ شیخانی: یہ نورستانی زبان ہے۔ نورستان سے ہجرت کر کے چترال آنے والے لوگ اس زبان کو اب تک زندہ رکھے ہوئےہیں۔ بڈول کاڑ اور لنگوربٹ ، شیخاندہ اور گوبور گاؤں میں بولی جاتی ہے۔ ان علاقوں کے بیچ کافی مسافت ہے لیکن حیرت انگیز طور پر زبان ایک ہی ہے۔ اس زبان کو چترال میں اور نہ ہی نورستان میں دستاویزی شکل دے دی گئی ہے۔

کسی علاقے میں ایک سے زیادہ زبانوں کا ہونا اس علاقے کے ثقافتی تنوع کو ظاہر کرتاہے۔ چترال کی مختلف زبانیں مختلف ثقافتوں کی نمائندگی کرتی ہیں ۔ ان زبانوں کو ترقی دے کر نہ صرف اس عظیم ثقافتی ورثے کو محفوظ کیا جا سکتاہے بلکہ لوگوں کی لسانی شناخت کو کھونے سے بھی بچایا جا سکتاہے۔

د پښتو ژبې یو دړدېدلے غزل ګو شاعر پروفېسر رحمت الله درد

(پروفېسر محمد اسلام ارماني)

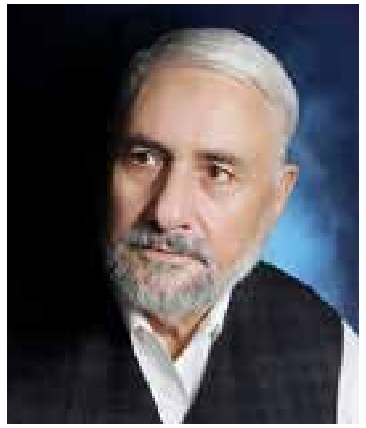

په دې خبره کښې به هیڅ د شک شبې او مبالغې ګنجائش نۀ وي کۀ مونږه دا اووایو چې د پروفېسر رحمت الله درد صېب د دړدیدلي شاعرۍ نه بغېر به د پښتو د جدید دور د غزل تذکره نیمګړې وي نو بې ځایه به نۀ وي ځکه چې درد صېب نۀ یواځې د پښتو د جدید غزل په حواله یو نمائنده غزل ګو شاعر ګڼلي شي بلکې هغه د خپل دور په مناسبت سره د هغه کسانو سره په یو صف او یو قطار کښې هغه ولاړ شاعر دے د چا غزل چې د پښتو ژبې او ادب د غزل ګو شاعرانو سره یو شان خوښولې او لوستلې شي۔ او خلق ورته په درنه سترګه ګوري۔ لکه چې وائي

زۀ ټول غزل لیکم د ژوند په حواله ئې لیکم
خدائے مې ګواه دے ما ریښتینې شاعري کړې ده

د درد صېب یو بل خصوصیت دا هم دے چې هغوي پخپل غزل کښې د ځان نه ګېر چاپېره حالاتو او واقعاتو ته هم ځائے ورکړے دے او د خپلو دړدېدلو احساساتو تذکره ئې هم په غزل کښې رانغښتې ده او دغه ټول حالات او واقعات چې راغونډ کړي شي نو د پروفېسر رحمت الله درد غزل ته بئیل رنګونه بخښې۔ لکه چې وائي

چې شعور دې راپېرزو کړو چې زۀ درد دې سترګه ور کړم
بیا دې ولې زۀ پیدا کړم د ړندو په ښاریه کښې

په دې کښې هم څۀ شک نشته چې درد صېب پخپله یو دړدېدلے شاعر دے او کله چې هغه دغه د خپل زړۀ دړدونه او ناکړدې محسوس کړي نو د خپل خوږ غزل دپاره ترې هغه لفظونه، فکرونه، تشبیهات، استعارې، اشارې او رمزو کنائې راغونډوي کوم چې د درد صېب د ټول ژوند د دړدیدلي شاعرۍ په اړه ترې « د درد کلیات» وجود مومي کوم چې محترم عمردراز مروت صېب په کال ۲۰۰۳ د مئي په میاشت کښې د یو زر توکو په شمېر د زبیح الله شفق په ښکلي کمپوزنګ د دانش خپرندویه ټخه خو کړے دے چې مونږ ورته ښۀ تود هرکلے وایو نۀ یواځې په دې سبب چې دا درد صېب د پښتو ژبې د غزل یوه لویه سرمایه ده بلکې څۀ کلام په کښې د اردو ژبې هم شامل کړے شوے دے۔ لهذا مونږه دا د پښتو ژبې او ادب دپاره یوه ګټندویه پنګه هم ګڼو چې هر خاص و عام پښتون ترې استفاده کولې شي او د درد صېب د غزل څخه ترې په زړۀ پورې خوندوره هم اخستے شي د درد صېب په حقله به ډېر شاعران او ادیبان خپلې بئیلې بئیلې رائې او نظریې لري خو ګران ملګرے سلیم راز چې د درد صېب په حقله کومه رائې قائمه کړې ده د دغې څخه یو څو کرښې رانقل کول غواړم لکه چې وائي

« دا نرم مزاج، خوش اخلاق، خوددار او باوقار انسان په حقیقت کښې د لار او معیار سړي دي او د دغې لار او معیار نه د زمان او مکان ادلون او بدلون اخوا دیخوا نه کړې شو» لکه چې رحمان بابا فرمائیلي دي

لکه ونه مستقیم پخپل مقام یم
کۀ بهار راباندې راشي کۀ خزان

په درد صېب د خپل ژوند په ۸۲، ۸۳ کاله عمر کښې ډېر سخت امتحانونه راغلي دي خو د دې دردونو او تکلیفونه باوجود ئې د خلې اف قدر له هم نۀ وي ویستلے بلکې هغوي د دغه خپلو دردونو براس پخپل شعر کښې ویستے دے۔ درد صېب هم لکه د نورو انسانانو په شان د غوښې زړۀ لرلو او دغه د غوښې زړۀ چې دړدمند شي۔ نو بیا خو به خامخا دړدیږي اخر زړۀ دې کنه۔ د درد صېب د پېغلې لور د ځوانۍ مرګ او بیا په تېره تېره د هغه نیازبین ځوے «احسان» د دې دنیا نه په ارمان تګ د درد صېب زړۀ چې څومره زورولے او دړدولے دے۔ او تر ژوند د اخري سلګۍ پورې ئې دغه دوه ښکلې څهرې د زړۀ او سترګو نه، سنبالولې او د خپل دړدېدلي زړۀ زخمونه به ئې پرې ټکورول لکه چې ئې پخپله هم د دا ذکر داسې کړے دے او وائي

چا دا مصرعه راته لیکلي ده د کور په دېوال
چا درته وې چې ځان ته درد وایه اوس تم شه ورته

په حقیقت کښې چې دغه دړدونو د درد صېب شاعرۍ ته کومه ځانګړې ښکلا ورکړې ده دغه د دوي د شاعرۍ ښائست یو په دوه کړي وو لکه د غالب د ځواني مرګ ځوي چې د غالب په شعر کښې کوم خوند رنګ پیدا کړے وۀ دغسې درد صېب هم د خپل ځواني مرګ ځوي په مرګ بې شانه دړدمند او زهیر وۀ۔ او کله چې به ئې په زړۀ دغه یادونه راووریدل نو وئیل به ئې

وخت مې له زړۀ جانان ېهر وباسي
صدف به مات وي چې ګوهر وباسي

او بیا ورته وائي

بیا د یادونو موسم راغے درده
بیا د یادونو تېغې سر وباسي

درد صېب کۀ هر څو دردمند وۀ او د دردونو او اهونو په قلا کښې بندیوان وۀ خو د دې هر څۀ باوجود ئې بیا هم د مینې او محبت رڼاګانې خلقو ته رسولې او وېشلې ئې پرې لکه چې وائي

خلقو ته درده رڼاګانې ویشو
مونږ په سینې دننه نمر ګرځوو

هغه په حقیقت کښې د مینې شاعر وۀ او همیشه دپاره ئې د هر یو نفرت نه نفرت کړے وۀ لکه چې وائي

ما دنفرت سره همېش درده نفرت کړے دے
د محبت سندرې وایم نو باغي په څۀ شوم

د درد صېب په شعر کښې د ژوندي فکر ویښ ضمیر او دړدیدلي احساس ټول رنګونه جوت دي او هر څوک چې دغه رنګونو ته کوز شي او په ژور نظر ورته اوګوري نو خامخا به ترې هغه قیمتي او بې بها ملغلرې راوباسي۔ کوم چې د درد صېب د کلیاتو د سمندر په تل کښې پرتې دي چې د درد صېب د مینې او دردونو ډک اسوېلي او سلګۍ پکښې لیدې شي۔ کوم چې د درد صېب دړدیدلي شاعري رنګینه کړي او ښائسته کړې ده لکه چې وائي

درد به ولې سترې اسوېلي کړل
کۀ د هجر اور په اوښکو مړ کېدلې

هغه د مرګ نه هم یرېدونکے نۀ وۀ ځکه خو د مرګ حادثه نۀ ګڼې

اجل دې راشي زۀ اجل ته حادثه نۀ وایم
حادثه دا ده چې د خیاله دې جانانه اوځم

درد لکه چې ما وړاندې هم غرض کړے دے دړدمند وۀ او د خپل قمي «احسان» څهره ورته هر وخت مخې مخې ته کېده لکه چې وائي

چې په څلور کنجه دنیا کې دې زۀ درد نۀ وینم
اوس به په تاپسې جنت ته زۀ «احسانه» اوځم

د درد صېب د شعر کېفیتونه د نورو شاعرانو د کېفیاتو نه ډېر په بئیل ډول دي۔ درد صېب کۀ په اول دور کښې د عشق مینې او محبت نه ډکه شاعري کړې ده۔ او خپل غزل ئې په دغه تورو ښکلے کړے او رنګین کړے دے او ځان ئې د پښتو د رنګین غزل په شاعرانو کښې ځائے کړے دےاو ځان ته ئې یو جدا مقام او حېثیت پیداکړے دے نو دغه د پښتو د جدید غزل یو جدا باب ګڼلي شي۔ او مونږ درد صېب ته د مینې او ښکلا شاعر وئیلي شو لکه چې د ځوانۍ د دور دا یو څو شعرونه ئې ستاسو په

درانهٔ خدمت کښې وړاندې کول غواړمه۔

درد مې شه په زړهٔ کښې اوښکه کېږمه مه
اے د ښکلو مینې ظاهرېږه مه
دا لا څهٔ پښتو ده چې دې هېر کړمه
داسې پښتو وکړه رایادېږه مه
نهٔ غواړم عېشونه درنه نهٔ غواړم
اے د ځوانۍ عمره خو تېرېږمه مه
اے د ګلو ځانګې ملا دې ماته شه
ګوره ائینې ته خو شرمېږه مه
درد درته جولۍ د سوال نیولې ده
هر ستم کوه مرورېږه مه

درد صېب د خپلې ځوانۍ ورځې په بنو او چارسده کالج کښې د لېکچرار په حېثیت هم تېرې کړې وې۔ چې دغه دور د درد صېب د رنګین غزل دور هم یادېږي لکه په دې موقع به ئې زهٔ دا یو شعر ستاسو په وړاندې مخې ته راوړمه۔ کوم چې د چارسدې کالج په مېګزین کښې چاپ شوے دے۔ راشئ تاسو ئې هم ولولئ

درده خلق هسې ښاپیري د کوه قاف ستائي
حسن خو د بنو دے یا د اشنغر حسن

په درد صېب د شعر راورېدو دا کېفیت هم اوګورئ لکه چې و ائي

څوک پېغمبر شي څوک شاعر شي درده
په چا غزل په چا کتاب نازل شي

دوي څخه دا خبره څرګنده شوه چې د درد صېب د شاعرۍ کېفیت الهامي وهٔ۔ او دغې ته د امد کېفیت هم وئیلې شي۔ ځکه خو ئې خوند او رنګ د نورو شاعرانو د شعر نه ځانګړې ښکاري او په دې حالت کښې ورته هم هر وخت خپل ملګري او یاران دوستان یادېدل لکه چې و ائي

بېګاه مې خامخا د سترګو نه چا خوب وړے وهٔ
بېګاه مې واړه شپه په زړهٔ راوریدل ملګري

په دې موقع زهٔ تاسو دا خبره خامخا دریادول غواړمه چې الله پاک ماته پخپل ژوند کښې هر وخت دا موقع په لاس راکړې ده چې ما د نورو نامتو شاعرانو ادیبانو سره سره چې ډېر محترم امیرحمزه خان شینواري صېب، سمندرخان سمندر صېب، اجمل خټک، قلندرمومند صېب، فېضي صېب، ایوب صابرصېب، همېش خلیل صېب، طوفان صېب، دوست کامل صېب، فارغ بخاري صېب، رضا همداني صېب، سردار خان فنا صېب، تقي صېب، یونس خلیل صېب، سلیم راز صېب، سعدالله جان برق صېب، عاصي هشنغرے، غازي سیال صېب، اندېش شمس القمر صېب، پریشان خټک صېب، طاهر کلاچوي صېب، اسد قریشي صېب، مجبور سوراني صېب، اثاري ګل اثار صېب، محمد اعظم اعظم صېب، ډاکټر اسرار صېب، اسرار صېب د طورو، محمد اقبال اقبال صېب، رحمت شاه سائل صېب او داسې نور شاعران چې زما همزولي شاعران پکښې هم شامل دي ورسره زما ناسته پاسته شوې ده چې په دوي کښې یو نوم د محترم رحمت الله درد صېب هم شامل دے۔ دا به د کال ۱۹۸۳ ۱۹۸۴ خبره وي چې په پاکستان ټیلي وژن پېښور مرکز کښې ملګري مجیدالله خلیل د غزل یوه ښائسته مشاعره جوړه کړې وه۔ چې پروډیوسر ئې مځترم صلاح الدین صېب وهٔ۔ چې ماته پکښې هم بلنه راکړے شوے وهٔ۔ او د نورو نه علاوه پکښې درد صېب، فېضي صېب او حمزه بابا هم شامل وو۔ چې کمپئیرنګ ئې پروفېسر ډاکټر محمد اعظم اعظم صېب کولو، په دې کښې درد هم د مینې مځبت نه ډک یو خوږ غزل اورولے وهٔ خو د فېضي صېب د خلې دا شعر مې کله هم نهٔ هېرېږي۔

بعضې خلقو بې طلبه منزل بیا موندهٔ
زهٔ د خداے دې قدرتونو ته حېران یم

نو خبره مې دا کوله چې زما د درد صېب سره د خط و کتابت نه علاوه ملاقاتونه هم نصیب شوي دي او ماته د هغوي سره د ناستې پاستې څهٔ نه څهٔ موقع هم الله پاک په لاس راکړې وه۔ په دې پورته ذکر شوو شاعرانو ادیبانو کښې چې څوک وفات شوي دي۔ نو هغوي ته دې الله پاک په خپل جوار رحمت کښې اعلي مقام ورکړي او چې کوم کسان د خېره سره حیات دي۔ دهغوي په عمرونو کښې دې الله پاک نور هم برکت واچوي۔ امین

درد صېب په حقیقت کښې د غزل د لوړې درجې په شاعرانو کښې شمار وهٔ او زهٔ دا اقرار کوم چې درد صېب به په کوم یو محفل کښې ناست وهٔ دغه به د دوي په ناسته پاسته رنګین او ښائسته وهٔخو درد صېب چې په خپل زړهٔ د خپلې لور او ځوان ځلمي ځوي د جدائې کوم غشي خوړلي وو دغه دړدونه او زخمونه ئې لا نهٔ وو ورغلې۔ چې پخپله ئې هم اخر سترګې پټې کړلې لکه چې وائي

ارمان د بیا لیدو ئې درده پاتې شي دوي لاړ شي
د ګل غوندې د ورځو مېلمانهٔ وي ځینې خلق

خو د دې باوجود هغه د خپل «ګل» په جدائې ښهٔ پوهه وو۔ او دړدمند وو

ګل درنه رخصت شهٔ درده اوژاړه
خداے ته ګوره مهٔ ساته په زړهٔ کښې اور

خو د دې باوجود هغه هم بیا ژوند کوو لکه چې وائي

چې په مرو سترګو مړ نهٔ شوم
درده نور به زهٔ په څهٔ مرم

او بیا دا ارمان خو ئې لا په زړهٔ پاتې وهٔ
چې زما او ستا نومونه پرې کنده وو
د ګودر د لارې هغه نخښتر وچ شهٔ

د درد صېب په شعر کښې د تغزل رنګونه انفرادي حېثیت لري د دوي شعر کښې د ګودر او نخښتر ذکر څومره رنګیني لري او دغه رنګینۍ د غزل په یو شعر کښې داسې په خوند رنګ رایوځاے کړي دي چې دغزل رنګینۍ ئې پرې لا سېوا شوې دي خو بیا هم نهٔ پوهېږم چې درد صېب دا خبره ولې کوي چې

په دې لمبه لمبه ماحول کښې درده
غزل مې رنګ د رومان نهٔ قبلوي

لکه چې ما وړاندې هم دا غرض کړے دے چې درد صېب د خپل ځان نه ګېر چاپېره ماحول باندې

هم کلک نظر ساتلے دے او د دغې څخه سترګې نه پټوي لکه چې وائي

تا چې اختر کلي ته نه ورو درده هغه جينی
نۀ خپل لاسونه دي سرۀ کړي نۀ سينګار کړے دے

د دې دردونو باوجود بيا هم درد صبب خپل ژوند کړے دے شعر ئې ليکلے دے او خپل خواخوږي شاعران ملګري ياران دوستان ورله تلې راغلي دي خو زمونږه په قسمت کښې ئې د ملاقات وختونه نۀ وو کنې ګران ملګري ډاکټر علي خېل درياب صبب او پروفېسر ډاکټر مظهر احمد صبب راته د هغوي د وفات نه يوه هفته وړاندې په بار بار دا خبره اوکړله چې د درد صبب ملاقات له تلل غواړي خو ما ورته غرض اوکړو چې اوس درد صبب سره د ملاقات هغه وختونه تېر شوي دي د هغوي صحت کمزورے شوے دے پېژندګلو ئې نشته خبرې اترې نۀ شي کولې چې الله پاک ئې ايمان سلامت کړي او اخري ژوند ئې روښانه کړي د درد صبب په زړۀ کښې به څۀ وو چې نۀ وو لکه چې دا ارمان ئې هم لکه زما نيمګړے پاتې دے

خدايه زما سپمه چې بيا ولې ازغې ازغې ده
موخو به تل د بل په لاره کښې ګل ګلونه

درد صبب کۀ وينې وۀ کۀ اودۀ بيمار وۀ او کۀ روغ خو د هغه په زړۀ کښې بس دغه يو ارمان لا ارمان پاتې وۀ چې دا به ئې وئيل

د تا په تلو باندې دا چا اوکړو ازار کلي ته
چې راښکاره نۀ شو بيا ټول عمر بهار کلي ته

او بيا ئې خپل زخمي او دردېدلے زړګے په دې شعر داسې ټکورولو

هسې خو نۀ ده معطره بيا هوا د کلي
درده راغلې به ضرور وي زما يار کلي ته

درد صبب په خپلو ړندو سترګو د رڼا ارماني وۀ د هغه د تېارو نه نفرت وۀ او داسې نفرت لکه چې دا ارزو او دا خواهش ئې په زړۀ کښې داسې غزونې کولې

او بيا وائي

ښکلې په مثال د ماشومانو وي
ن به ئې زړۀ غواړي سبا نۀ غواړي
لکه چې فيض الرحمان فيضي صبب وائي
چې په ډېر څۀ مرور په لږ خوشحال دے
زما زړۀ د ماشومانو په مثال دے

د ژوند په اخري ورځو کښې د درد صبب زړۀ ډېر نرے شوے وۀ اوس هغه ته بل د هيڅ يوې خوشحالۍ ضرورت نۀ وۀ پاتې د هغۀ فقط دغه يو ارمان وۀ چې د خپلې لور او حوې اخسان خواله لاړشم او ورسره ملاقې شم لکه چې وائي

جانان چې لاړو اوس دې سترګې اوښکې نۀ دوروي
په وخت چې نۀ وريږي داسې باران نۀ دې راځي

او بيا وائي

اوس چې په ژوند باندې مې نۀ کوي پښتنه درده
زما د مرګ چې کله واورې جانان نۀ دې راځي

درد صبب په خپل نيازبين خوي احسان او خوږې لور باندې ډېر دردناک شعرونه ليکلې دي خو هغه څوک پرې پوهيږي چې څوک د درد صبب په درد پوهېدل لکه چې هغه په يوه سانده کښې وائي

چا وې چې احسان پسې غمژن دے درد
هغه دې ژوندے دے دروغژن دے درد

او بيا وائي

ما به چۀ په زړۀ پورې نيولې وۀ
خاورو کښې ن پروت هغه بدن دے درد

څۀ رنګه تازه وۀ چې ګل دلته وۀ
څۀ رنګه ويجاړ زما چمن دے درد
ذکر د احسان ورسره مۀ چېړئ
بيا به په ژړا شي لوګړن دے درد
چا وې چې احسان زما نه لرې لاړ
مبنځ کښې مو پرده بس يو کفن دے دے درد

د درد صبب په شعر ډېر څۀ ليکلې شي ځکه چې هغه د غزل د ګلستان هغه ماليار وۀ چې ګلونه ئې هم کرل او شعرونه ئې هم ليکل خو هغه د زمانې ګيله من هم وۀ لکه چې وائي

چې د درد غونډې سرے درنه باغي شو
اے بې درده زمانې قصور د چا دے

په ګور ئې د رحمتونو باران راښکې کړې۔ الله پاک دې ورته جنت الفردوس کښې اعلي مقام ورکړي.

امين

AFGHAN METAL MARKET

Afghan Metal Market, a prolific business, operates on Pajagai Road. From Copper, or Mis in Persian, Afghan Metal Market is involved in making different items from it. Product includes daily use items e.g. cups, bowls, jugs, cutlery, jars, plates, trays etc. and decorative items.

د شاهکار شاعری

فېض الوهاب فېض

د واحد یوسفزی د زېړون نېټه ورومبۍ فروری لونس سوه نهٔ اتیا ده او ورومبۍ شعری مجموعه د نوی ژوند ورومبے سحر ''چې ئې په کال دوه زره شپږ کښې چاپ کېده نو عمر ئې څهٔ خواوشا اتلس کاله وهٔ او په دغه ورومبۍ مجموعه کښې د یو ښهٔ شاعر جوړېدو ټول امکانات څرګند برېښېدل او چې محترمو اجمل خټک، ایاز داؤزی او قمر راهی د هغهٔ سره کوم توقعات د ورومبۍ مجموعې په رڼا کښې تړلی وو، هغهٔ د دې دوېمې مجموعې په شکل کښې تر ډېر حده پوره شوی دی او واحد یوسفزی ځان د شاهکار په رڼا کښې د یو ښهٔ شاعر په شکل کښې څرګند کړو ـ

د یو ښهٔ شاعر جوړېدو د پاره چې کوم شرطونه پکار دی نو زما په خیال هغهٔ دا کېدے شی چې د فطری صلاحیت سره سره به شاعر شعوری طور د فن ریاض کوی، د مشاهدې قوت به ئې تېز وی، ژوند ته به نېغ په نېغه کتنه کوی د ازحونو په ځاے به د ژوند ذاتی تجربو له اهمیت ورکوی او د خارج نه چې څهٔ اخذ کوی هغهٔ به د خپل داکل د تخلیقی بټۍ نه تېروی او واپس به ئې اظهار کوی کهٔ څهٔ هم ژوند ته د کتنې زاویه د هر چا بېئېله بېئېله کېدی شي ځکه چې په دغه لړ کښې د شاعر خپله سائیکی چې د توارث او چاپېرچل د برغو اثراتو نه ئې جوړښت موندے وی، نهٔ شی نظر انداز کېدے او نهٔ په شاعر دا قدغنونه لګول پکار دی چې ګنی هغهٔ دې خپله ذاتی خوښه ناخوښه نهٔ پکاروی خو دا خبره هر څوک منی چې شاعر د شر د قوتونو ملګرتیا نهٔ کوی کهٔ څهٔ هم شر هم بعضې وخت په اضافی حېثیت د ځینی خلکو د چاپره خېر وی خو بیا هم د خېر او شر پېمانې څرګندې دی، مینه ، امن، انسانیت د انسان د بنیادی هقونو غوښتنه او ساتنه ، د راې د اظهار ازادی د انفرادیت روزنه داسې قدرونه دی چې ټوله دنیا ئې خېر ګڼی، او خېر په اصل کښې ښکلا او رښتینولی ده او شاعر د هر چا نه زیات د دغه قدرونو اظهاروونکے او ترجمان دے ـ

واحد یوسفزے چې په کوم کور او کوم چاپېرچل کښې زېږېدلے او لوے شوے دے هغه کور او هغه چاپېرچل د پښتنو د ژوند سوچه پس منظر دے ـ د ژوند د سهولتونو نه محرومی، د ژوند تاودې ښپېړې او په لږ عمر کښې ډېرې ترخې تجربې داسې عوامل دی چې زمونږ شاعر ئې د وخت نه مخکښې بالغ کړے او سنجیده کړے دے ـ او اتهٔ ویشت کلن واحد یوسفزے خو اوس د ژوند په داسې برید ولاړ دے چې د حالاتو تجزیه کولی او د خپل فن د پاره ترې مواد اخذ کولی دی ـ د واحد په دې کتاب کښې ډېر داسې شعرونه شته چې د ژوند د تجربو غمازی کوی خو دلته زهٔ صرف یو څو هغه شعرونه راوړم چې د مضمون سره سره د بیان پېرایه ئې هم ښکښې ده :

سړے د رنګ رنګ مرحلو نه تېر کړی
ژوند کښې بلها بلها ټکرې راځی
بس دغه سترګې دغه اوښکې وې چې توې مې کړلې
زهٔ خو انسان ووم څهٔ باران د پشکال نهٔ وومه
زما خندا هم د ژړا غوندې ده
یارانو ما له اوس خندا نهٔ راځی
اوس خو د خپل قد نه هم ډېرې لوې لوې وایم

د وخت ستم په ماشومتوب کښې ذهین کړے یمه
په واحده درد دې په سینه کښې دے
زړهٔ کښې دې ارمان دے ارمان ته خاندی
پرهر مې د زړګی په سرو سکروټو ټکورېږی
د اور او د لمبو نه بغېر څهٔ دی چې مې خپل دی
واحده خداے دې په دې سیمه امن زر راولی
دا ما چې کوم ټکی له زور ورکړو دې زور غوښتهٔ

د واحد یوسفزی په لاس کښې فنی وسائل شته ـ د هغهٔ د اظهار طاقت د شاهکار په رڼا کښې ښهٔ زیات برېښی ، ژوند ډېر خور وور دے، د ذات نه واخله تر کائنات پورې دنیا او د دنیا رنګونه او رنګ رنګ مسئلې او بیا نوې ابلاغی ذریعې داسې دی چې شاعر د محدود چاپېرچل اوسېدونکے نهٔ شی پاتے کېدے ـ د شاعر نظر هم وسیع کوی او د تجربو د پاره ورته لوے مېدان خوروی او باید چې شاعر د ذات نه تر کائنات او د قام نه تر بېن الاقوام د انسانی مسئلو ادراک وکړی او د خپل تخیل په

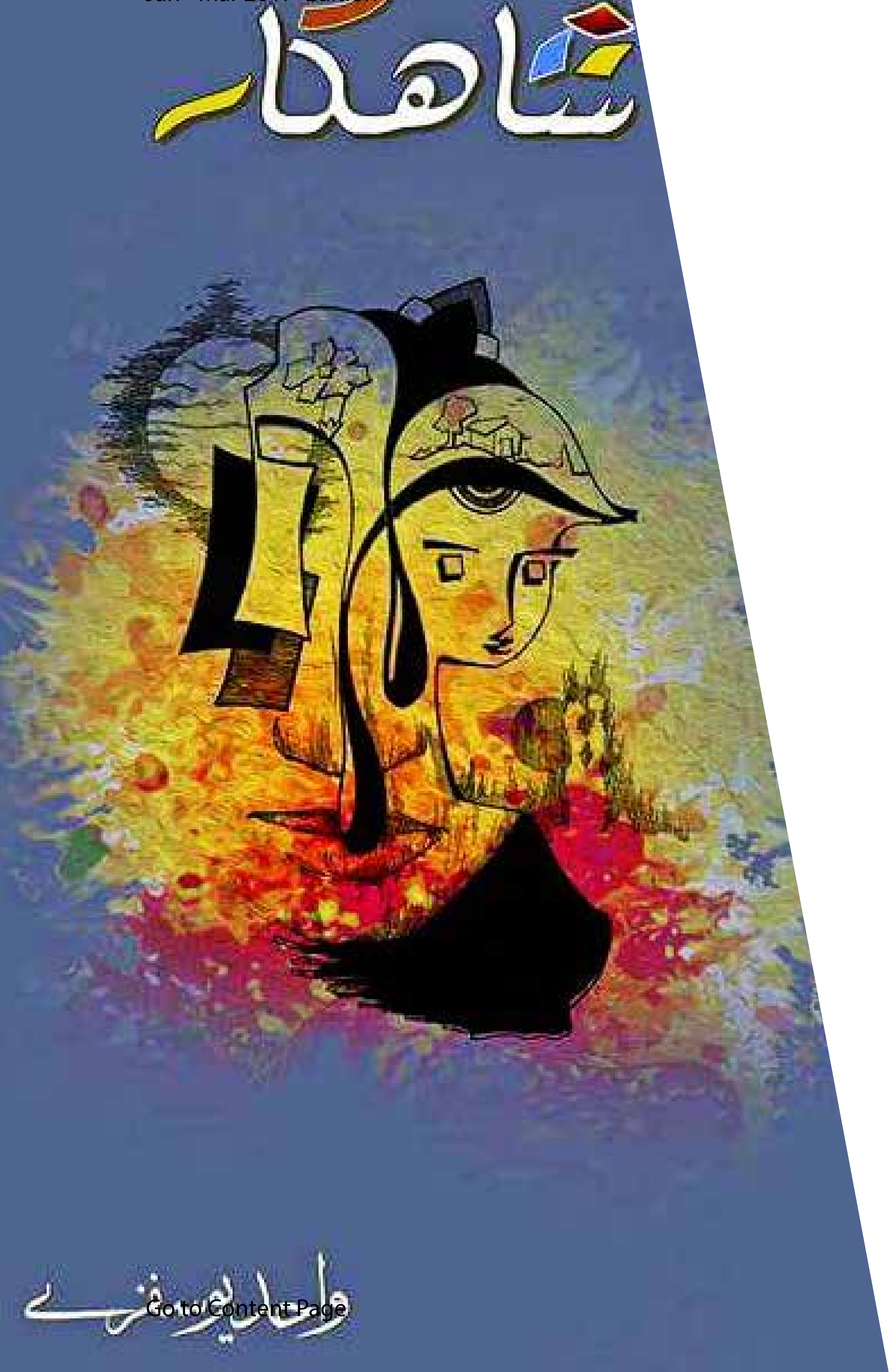

زور او د خپل فن وسیله ئې اظهار او ترجمانی وکړی د واحد په شاعرۍ کښې دغه اړخ لګ تت دے ۔

د شاهکار په مندرجاتو کښې غزلې، نظمونه، سندرې، هائیکو، قطعې او فردیات شامل دی او د شاعرۍ مجموعی فضا ئې رومانوی ده ۔ رومانویت دلته زهٔ په محدود معنٰی کښې پکاروم، صرف د عشق او محبت او محب او محبوب تر مینځه د راز او نیاز تر خبرو پورې د واحد د شاعرۍ خصوصاً د غزل دغه اړخ ډېر قوی او غالب دے، نظمونه ئې زیاتره د غم ښادۍ تر مخه لیکلی دی او د سندرو په شا هم د شاعر د ذات او کائنات د کشالو په ځاے د سندرغاړو د غوښتنو تر مخه لیکلی دی ځکه نو په دغه تناظر کښې د هغهٔ نمائنده شاعری د غزل په شکل کښې ده او په غزل کښې ئې هم غالبه موضوع

رومان دے او په دغه اړه ئې په غزل کښې ښکلی ښکلی شعرونه شته ، داسې شعرونه چې د جذباتو غورځنګ او اخلاص پکښې په شدت سره محسوسیږی لکه:

په ګلوکار جانان دې پېښ کړم ربه
خوب کښې اوس غوږو له سندرې راځی
ستا په امانت ښائست نظر ولاړ
زړهٔ مې امانت لېونے شوے دے
تا راله زړهٔ راکړو جانانه دا دې لویه وکړه
لا خو لائق هم زهٔ اشنا ستا د رومال نهٔ ومه
دا چې له حلقه د چا نهٔ تربړم تریخ به یمه
خو یوې مخې په سرو شونډو ګبین کړے یمه
دا خلق د خلقو نوغے وباسی
دا ښکلی خو داسې اسان نهٔ خاندی

زما خیال دا دےچې د شاعرۍ یو کتاب هم بې کاره نهٔ وی ځکه چې د هر کتاب څهٔ نا څهٔ لوستونکی خو خامخا وی خو ښهٔ شاعری هغه وی چې نهٔ صرف د لوستونکو دائره ئې خوره وره وی بلکې لوستونکی له د سوچ داسې زاویې هم ورکوی چې وړاندې د هغوی دغه اړخ ته خیال نهٔ وی، او دا هله کیدے شی چې د شاعر خپله ذهنی سطح لوړه وی او نظر ئې هغه ځایونو ته رسېدے شی چې د نورو خلکو نه پناه وی او یا ورته د نظر رسولو توان نهٔ لری ۔ ژوند ډېر فراخه دے، او انسانی ورورولی ډېر لویه ده او د دغه ورورولۍ په صحیح معنا کښې د قیام د پاره د شاعر کردار ډېر اهم دے او د غه اهمیت له مخه مونږ د واحد یوسفزی سره هم نور ډېر توقعات تړلی شی ، الله دې وکړی چې د واحد فن نهٔ صرف د پښتون قام د ذهنی او جمالیاتی روزنې په ښهٔ راشی بلکې د بین الاقوام په لویه ورورولۍ کښې هم د مینې د تړون او د انسانی اقدارو د رواج په ښهٔ راشی ۔

مینه او مننه

Go to Content Page

دپښتو اولسی سندرې

لیک: قلندر مومند

ترجمه:پروفېسر ډاکټر محمد زبیر حسرت

یادګیرنه: (د محترم قلندر مومند (مرحوم) دا مضمون د اردو مضمون نه چې په (اٹک کے اس پار) کښې چاپ وو، ما د پښتو د طالبانو د علمی، ادبی او تدریسی ضرورتونو تر مخه د اردو نه پښتو ته را اړولے دے .

دَ یوې علاقې دَ اوسېدونکو دَ ټولنیځو رجحاناتو او دَ هغوی دَ مورنۍ ژبې دَ فنی رجحاناتو اندازه د هغې علاقې دَ اولسی سندرو نه په اسانه لګېدے شی ځکه چې دَ مشرقی خلقو دپاره دَ هغوی دَ داخلی جذباتو دَ اظهار یواځینۍ ذریعه عوامی شاعری ده او هم دَ عوامی شاعرۍ نه دَ معیاری یا سنجیده عوامی ادب دَ کره کوټه پته لګېدے شی. ځکه نو دَ یوې ژبې دَ معیار او کره کوټه معلوملو دپاره او دَ عوامی ادبی معیار صحیح اندازې لګولو دپاره واحده لار دا ده چې دَ هغې ژبې دَ اولسی سندرو کره کتنه اوشی .

لکه دَ نورو مشرقی ادبیاتو په پښتو ادب هم دَ ګُمنامۍ پرده وه چې وجه ئې دَ قومی جمود او بې حسۍ نه علاوه بل هیڅ نۀ وه. دَ پښتو ویونکو یوې لویې ډلې دا ګڼله (دَ پښتو لیکونکو یوه خاص طبقه اوس هم دا ګڼی) چې پښتو ادب چې دَ ((علامه محمد هوتک)) په زمانه کښې کومه ارتقایی درجه حاصله کړې ده دوباره هغې درجې ته رسېدل نا ممکن دی. له دغې وجې نه دَ پښتو دَ هنرمندانو او ادیبانو په اعصابو چې دَ احساس کمترۍ او بې اسرې کېدو کوم پېرے ناست وو هغۀ دوی مخکښې تلو یا ودې کولو ته پرې نۀ ښول، هم دغه وجه ده چې پښتو ادب هغې معراج ته اونۀ رسېدو دَ کوم چې دا مستحق وو .

پښتون یو پسمانده قوم دے او دَ دنیا دَ نورو قومونو په نسبت په تعلیمی لحاظ لړ وروستو دے نو ظاهره ده چې دَ تعلیمی پسماندګۍ ردِ عمل دَ دوی فنی اقدار متأثره کړل او پۀ دغه وجه مونږ پښتو شاعرۍ ته عوامی شاعری وئیلے شُو ځکه چې دَ پښتنو ادیبانو کومه طبقه چې دَ ادب برائے ادب په فرسوده نظر یې روانه وه هغوی په خلقو کښې څۀ خاص نوم پېدا نۀ کړو او دَ دوی ادب آفاقی ادب ثابت نۀ شو. دَ دې بر خلاف هغه ادیبان چې ادب ته ئې دَ ژوند دَ مختلفو اړخونو نه اوکاتۀ او دَ ژوند دَ بدلونونو سره سره ئې ادب هم په بدلېدو مجبوره کړو، ټولو ډېر زیات شهرت ترلاسه کړو او دَ صالح او صحت مند ادبی خدمت په وجه ئې ژوند سره نزدېکت بیا موندو .

دَ پښتو اکثر ادیبان دَ ژوند نه فرار یا تېښته نۀ کوی بلکې په هر ګُټ پیر دَ دوی مخې ته هنداره ږدی په کومه کښې چې دوی په هر قدم د خپل ادبی او ټولنیځو کړۀ وړو جاج اخلی. عسکریت چې دَ پښتون ماحول نه یو نۀ جدا کېدونکے جز دے په هره مناسبه موقع دَ ادب سره وی. دا خو ظاهره خبره ده چې ادب دَ ژوند دَ تقاضو او ضرورتونو مطابق جوړول دَ ادب برائے ژوند اصلی معنی ده. په دې لحاظ زۀ په دې وئیلو مجبور یم چې پښتو په حقیقت کښې یوه ډېره ترقی پسنده ژبه ده کومې له چې دَ دې رجعت پرستانه ماحول دَ رجعت پرستۍ رنګ ورکړے وو .

دَ پښتو اولسی سندرې اکثر دَ سیمه ایزو ضرورتونو مطابق وئیلے شی. دَ دې سیمو اکثر خلق نالوستی وی ځکه نو دَ دوی سندرې دومره ترقی یافته نۀ وی چې په فنی معیار پُوره اوخېژی خو کۀ اولسی سندرې دَ عوامو دَ عقلی مزاج سره سمون خوری نو بیا دَ هغې دَ خپلولو نه علاوه بله لار نۀ وی .

((ټپې، لوبې، چاربېتې او بدلې)) دا دَ پښتو اولسی سندرو اصناف دی .

ټپه:

ټپه دَ پښتو ژبې خپل تخلیق دے او دا په نورو ادبیاتو کښې بیخی نشته. هم دا هغه صنف دے چې له اټکه تر قندهاره د درستو پښتنو شریکه ملی سرمایه ده. چرته ورته خلق ټپه وایی او چرته لنډۍ. دَ دې وجه دا ښودلے شی چې ((ټپه)) په پښتو ژبه کښې (مُهر) ته وئیلے شی او پښتانۀ چونکه په هره خبره کښې دا دَ متل په توګه استعمالوی نو ځکه ورته ټپه وئیلے شی. بله وجه ئې دا ښودلے شی چې ټپه (لاس پړقولو) ته هم وایی نو چونکه دَ ټپې په وئیلو دَ دې دَ سُر سره لاسونه پړقولے شی نو ځکه دَ دې صنف نوم ټپه اېښودے شوے دے. بله دا چې ټپه ((پټو (مرهم)) ته هم وئیلے شی او دا په خفه او زهیر زړۀ باندې د پټۍ (مرهم) غوندې لګی نو ځکه ورته ټپه وئیلے شی. دَ لنډۍ معنی ظاهره ده او هغه دا چې دَ دې چونکه یوه مصرعه لنډه او دویمه اوږده وی نو ځکه ورته لنډۍ وئیلے شی لکه دَ مثال په توګه:

زما اشنا ګل دَ نرګس دے
بل ته په ترس دے ماته سم نظر کوینه
زما اشنا ګل دَ لاله دے
په رنګ اعلی دے بلبلان ورله راځینه
زما اشنا ګل دَ صدبر دے
په ما خبر دے چې مئین ورباندې یمه
زما اشنا ګل دَ رامبېل دے
زړۀ مې غلبېل دے ورپسې کړی فریادونه
چې نیمه شپه شی یار رایاد شی
زړۀ پۀ فریاد شی سترګې اوښکې څڅوینه
چې کله کله راپه زړۀ شی
سر په بازو کړم اوښکې کوزې تویومه
زما دَ زړۀ ارامه راشه
په تمامی جهان اختر په ما غمونه
زما دَ زړۀ ارامه راشه
ملهم زما شه چې مې روغ کړې پرهرونه
کۀ دې بانۀ قاتلان نۀ وے
په دروازو کښې به دې چا کړل فریادونه
سترګې مې خوږ لاس مې پرې ایښے
دَ اشنا غم پکښې غرېبی ږوند به شمه

دَ عشق او محبت او سوز وګداز دَ قدرتی جذباتو او وارداتو نه علاوه هغه ټپې چې سیاسی تحریکونو سره تړلې دی، جوش، ژوندون او ولوله ده پکښې. دَ داسې ټپو ټکے ټکے سامراج شکن او زړۀ غټوونکے دے:

دَ ازادۍ ناوې جوړېږی
هریو زلمے نعرې وهی زما دې شینه
کۀ مې فیرنګ چوره چوره کړی
دَ قام دَ ننګ نه به څنګ اونۀ کړم مئینه
سورے سورے په ګولو راشې
دَ بې ننګۍ آواز دې رامۀ شه مئینه
که دَ وطن په ننګ شهید شوې
په تار دَ زلفو به کفن درله ګنډمه
که دَ زلمو نه پوره نۀ شوه
فخرِ افغانه جینکۍ به دې ګټینه

لوبه:

دَ ټپې نه پس دَ لوبې درجه راځی دا هم لکه دَ ټپې دَ پښتو خپل تخلیق دے او دَ تحقیق نه معلومه ده چې دَ نن نه تقریباً نیمه صدی وړاندې لوبه نهٔ وه (البته دَ دې یو نیمګړے شان شکل یعنی نیمکۍ) هغه وخت هم موجوده وه . له دې وجې مونږ دا وئیلے شو چې په پښتو کښې تخلیقی صلاحیت ډېر زیات دے او دَ دې دپاره دَ علامه هوتک، خوشحال بابا، عبدالحمید بابا یا دَ علی خان دَ دور او یا دَ یو شخصیت دَ مشرۍ او ملاتړ څهٔ ضرورت نشته. بلکې په پښتو کښې فی نفسه داسې خیژونه شته چې هغه دا دَ نوی ماحول سره اشنا کوی او دې ته دوام ورکوی. دا خبره زمونږ په دې دعوی هم دلالی

کوی چې پښتو په حقیقت کښې یوه ترقی پسنده ژبه ده او په دې کښې دومره زور شته چې دَ نورو ترقی یافته ژبو سره اوږه په اوږه ادبی مېدان ته را اوځی ځکه چې کهٔ دَ بې وسۍ باوجود په یوه ژبه کښې دومره لچک وی چې په خپله شاعرۍ کښې دَ نوی اصنافو اضافه کولے شی نو یقیناً چې دومره صلاحیت به پکښې هم وی چې دَ ژوند دَ بدلېدونکو رجحاناتو هنداره شی او په نړۍ کښې ځان له یو مقام پیدا کړی .

(لوبه) دَ څهٔ نه وتې ده؟ په دې حقله څهٔ وئیل ګران دی خو ذهن ته دا خبره ضرور راځی چې (لوبه) چې اردو ژبه کښې ورله (کهیل) ټکے استعمالېږی اکثر دَ عاشق او معشوق ترمینځه مکالمات (خبرې اترې) (DILOGUE) پېش کوی او کېدے شی چې په دې وجه لوبه دَ (پلے) (PLAY) نه وتې وی .

دا دَ مستزاد دَ قسم یو صنف دے چې وړومبۍ دوه مصرعې ئې هم قافیه وی خو بحر ئې یو شان نهٔ وی. وړومبۍ مصرعه ئې اکثر اوږده او دوېمه لنډه وی. دې پسې دَ راتلونکو مصرعو شمېره دوه یا درې او بعضې وخت څلور هم وی. اخری مصرعه دَ مطلعې دَ مصرعې سره تړلے شی او دغه شان وړومبے بند چې (کړۍ) ورته وئیلے شی، مکمل شی.

دا خبره دَ یادولو وړ ده چې لوبه چرې هم دَ (کامیډی) جذبات نهٔ وړاندې کوی بلکې اکثر په (ټرېجډی) اړه لری او یا دَ نورو مشرقی ژبو په شان مدحیه وی. (چې زما په خیال ورته دَ خپلې خودۍ ویر وئیل پکار دی) دَ دې صنف دوه مشهور استاذان (استاد رحیم جان او استاد مطهر فدا دی). وړومبے استاد ډېر وخت اوشو چې وفات شوے دے. دوی دَ سوړیزی مومندو علاقې پېښور ضلعې اوسېدونکے وو نالوستے وو او دغه وجه وه چې دَ اولسی جذباتو او عوامی مزاج مطابق به ئې لوبې لیکلې. دَ دوی لوبو ته په مومندو کښې په خاصه او په ټوله پښتونخوا کښې په عامه توګه ډېر دَ قدر په نظر کتلے شی. دَ دوی دَ ژوند دَ واقعاتو مونږ ته مکمل معلومات نشته خو دومره پته ئې لګی چې په غربت کښې پیدا او لوئے شو او هم دغه ماحول کښې ډېر په تکلیف مړ شو. داسې ښکاری چې دوی څهٔ لیکلی دی هغه ئې په خپل ځان تېر شوی حالات قلمبند کړی دی دَ کومو نه چې دَ دې سیمې دَ اکثرو اوسېدونکو دَ غربت، لوږې او بدحالۍ اندازه کېږی او دَ دې ځائے دَ اوچتې طبقې لکه خانانو، اربابانو او لویو لویو جاګیردارانو او سرمایه دارو دَ اجاره دارۍ تصویرونه دَ لوستونکی مخې ته راشی .

استاد رحیم جان دَ پښتو یو لوئے اولسی هنر مند وو. دا لوبه هغوی لیکلې ده:

دَ غم دَ لاسه مې پهٔ زړهٔ باندې خفګان راځی
نوے طوفان راځی
یو دَ فیرنګ ظلمونه
غټ خېتی لا وسونه
هائے دَ غریب ژوندونه
یو ستم تېر نهٔ وی چې بل پرې له اسمان راځی
نوے طوفان راځی
ځائے په سمک نشته دے
دّ کار درک نشته دے
دَ ژوند مو حق نشته دے
په دې حالت مې سېلابونه له چشمان راځی
نوے طوفان راځی
باړه پټے کوو مونږ
یوې مالې کوو مونږ
بیا هم فاقې کوو مونږ
چې دَ غوبل په وخت کښې وېش لره خانان راځی
نوے طوفان راځی
خان ته ارذل وی غریب
دَ ګاڼی نل وی غریب
ترځو به غل وی غریب
په معتبر به اخر قهر دَ سبحان راځی
نوے طوفان راځی

استاد مطهر فدا (جون (۱۹۱۱) ـ ۲۸، نومبر ۱۹۷۱) هم دَ دې طبقې سره تعلق لرونکے یو انسان دے ځوک چې دَ وخت تراخهٔ ګوټی اوپښتانهٔ دَ خپلو لوبو په ذریعه ګرمولو دپاره تراوسه ژوندے دے . (فدا مطهر هم پهٔ ۱۹۷۱ کښې وفات شوے دے . (مترجم))

دے دَ علاقه خلیل په یو کلی پشته خره کښې پیدا شو او هم هلته ئې اولنۍ زده کړه اوکړه او وروستو ئې ډېر زیات شهرت ترلاسه کړو. داسې ځوک پښتون به نهٔ وی دَ چا په ژبه چې دَ دهٔ یو شعر نهٔ وی راغلے. ما اکثر په لارو کوڅو کښې دَ وړو ماشومانو له خلې دَ دهٔ پوره غزلونه او دَ لویو او مشرانو نه دَ دهٔ لیکلې لوبې اورېدلې دی. ولې دَ علمی کموښت له وجې دَ دوی په لوبو کښې هغه زور نشته چې تعلیم یافته طبقه متاثره کړی .

اکثر پکښې دَ روزګار نهٔ ملاوېدو ذکر وی او دغه شان دَ ستړی ستومانه زمیدارو، بدحاله مزدورانو محنت کشو خولو کښې ډوبو انسانانو دپاره پکښې دَ سکون او تفریح له پاره ډېر څهٔ وی:

دَ اوښکو ډکې سترګې چاته واړومه
غمَ په زړهٔ دننه زهٔ تېرومه
هر نوے غم زما مېلمه وی
وېش کښې اول مې په نامه وی

په مېلمستیا کښې دَ تن غوښې ورکومه
غم په زړهٔ دننه زهٔ تېرومه
لوټ ئې زما دَ زړګی کور کړو
وطن ئې ټول راته سور هور کړو
فکر کوم چې کوم طرف ته اوتښتمه
غم په زړهٔ دننه زهٔ تېرومه
په کور کښې غم بهر مې غم وی
چې چرته ځم راسره سم وی
یو تلے نهٔ وی چې بل غم ته غاړې شمه
غم په زړهٔ دننه زهٔ تېرومه

چاربېته:

دا دَ پښتو شاعرۍ یو ډېر زوړ صنف دے. دا صرف متقدمینو یا متوسطینو لیکلے دے. متاخرینو دې طرف ته پام نهٔ دے ګرځولے. دَ پښتو ترقی پسندو شاعرانو کښې یو هم په دې صنف طبع ازمایی نهٔ ده کړې. دَ پښتنو تاریخی او هنګامی څیزونه په دې صنف کښې زیات دی او خلق اکثر دا زمزمه کوی .

په دې کښې دَ مصرعو شمېر دَ درېو نه واخلې تر نهو پورې وی او وړومبنو ټولو مصرعو ته مطلع وئیلے شی. دَ مطلع نه وروستو راتلونکې ټولې مصرعې خپلو کښې برابر وی او دې مصرعو کښې اخری مصرعه دَ مطلعې وړومبۍ مصرعې سره تړلے شی. دویم بند دَ مطلعې دوېمې مصرعې سره په تړلو ختمېږی. علی هذا القیاس چې کله دا کړۍ پوره شی یعنی دَ مطلعې په هره مصرعه بند اولګولے شی نو یوه کړۍ جوړه شی. کړۍ پښتو کښې دَ اردو دَ (بند) په معنی استعمالېږی. دَ دې صنف دَ استاذانو نومونه په ګوتو شمارلے شی. په دوی کښې دَ خلیلو دَ علاقې اخوند نور الدین (اګر چې امی وو خو په اخوند مشهور وو)، دَ مومندو دَ علاقې صاحبزاده سېف الرحمان او دَ ادینا (صوابۍ) صاحبزاده غلام قادر دَ یادولو وړ دی .

اخوند نور الدین ډېر پُرګو شاعر وو. فِي البدیهه شعرونه وئیلو کښې کمال ته رسېدلے وو. دوی اکثرې چاربېتې فی البدیهه وئیلې دی، په خاصه توګه دا چاربېته.

دَ زاغ دواړه ځانګو نه دې دَ مخه کړهٔ چاپېره
جمال په شش کښې ګورې
تا بیا په سرو لبانو دنداسه مبنلې ډېره
لیلی له خیاله ښورې

صاحبزاده سېف الرحمان صاحب دمومندو علاقه بازید خېل ضلع پېښور کښې پیدا شو . (صاحبزاده سېف الرحمن صاحب د قلندر مومند صاحب والد محترم وو) دَ دوی په چاربېتو کښې تنوع زیات دے .

ګرځم جدا زړهٔ مې هر دم کښې دَ شارو سره وی
دَ خدائے په در کښې مې همېش لاس په دعا نیولے
ګرځم جدا ستا په یارۍ کښې مې طاعون شو جینۍ
دَ رب دپاره لږ په سترګو دَ کرم اوګوره
سترګې مې سپینې په ژړا حال مې زبون شو جینۍ
یمه رنځور راله دَ سرو شونډو ملهم اوګوره
ستا دَ فراقه مې قد کوږ لکه دَ (نون) شو جینۍ
کوم به ساعت وی چې صحبت به دَ ماه رُو سره وی
سر مې په لاس کښې ګل صنم له تا فدا نیولے

صاحبزاده غلام قادر صاحب ډېره موده مخکښې وفات شوے دے. دوی دَ مردان ضلعې ادینا نومې کلی کښې پیدا شوی وو. دوی پښتو له ډېر نوی رنګونه ورکړی دی، دَ دوی یوه مشهوره چاربېته داسې ده:

دَ دلبر بشر به کله زما هېر شی
چې بېلتون راته وهی په کټارۍ لاس
نېک نظر به په ما کله دَ ګل څېر شی
عزرائیل راته وهی په ککرۍ لاس
دَ دلبر بشر مې لیک دَ زړهٔ په سر دے
مطالعه لکه مُلا کوم مدام پکښې
زلفې جیم خلهٔ ئې ده میم مخ ئې دفتر دے
دا نرۍ پوزه ئې بې شکه الف لام پکښې
د (نونونو) ئې په ورځو کښې اثر دے
دَ (صادونو) شته ورلاندې هم مقام پکښې
یا به دا سبق زما زهرو ګنډېر شی
یا به تاؤ کړمه دَ مستۍ دَ مرۍ لاس
په مرۍ کښې مې دَ سرو ګلونو هار دے
لکه لښته ده چنډېو ده ځوانی زما
تل سرونه پرېکوی ظالم مې پلار دے
ستا پهٔ شانې خلق ډېر دی ارمانی زما

دَ سینې په منجرو مې نوبهار دے
پس له دې کوه په باغ کښې باغوانی زما
دَ زړګی زخم به هله دې کوشېر شی
کهٔ دې پورې کړو زما په نوکرۍ لاس

چونکه دَ پښتنو جبلی انفرادیت یعنی عسکریت دَ دوی دَ ژوند په هر اړخ غالب دے ځکه نو دَ مُلا مقصود (دا اولسی شاعر دَ قلندمومند صاحب په نیکونو کښې راځی) هغه مشهوره جنګی چاربېته کومه چې هغوی دَ انګرېزانو په چترال دَ فوج کشۍ په وخت وئیلې وه دلته رانقل کول ضروری دی. دا چاربېته په کلی، کوڅو، حجرو او چوپالونو کښې وئیلے شی. اګر چه اوس دَ دې چاربېتې ځائے نوؤ چاربېتو نیولے دے خو بیا هم زاړهٔ خلق اوس هم کله کله هغه وخت یادوی:

انګرېزو بیا تړلے لام دے نه
څنګه جنګونه په چترال کوی
پروت په درګۍ ورته ګودام دے نه
اَخَلی سوات دَ بونېر خیال کوی
انګرېزو بیا جمع لښکر کړو نه
حېران په فکر کښې ډوب لاړمه زهٔ
په مالاکنډ ئې حکم ورکړو نه
تل دَ اسلام برے به وایمه زهٔ
غازیانو داؤ پرې مال و سر کړو نه
غنچې ژړېږی څهٔ به ژاړمه زهٔ
دَ شهادت عالی مقام دے
مخ ئې رنا لکه مشال کوی
دَ باجوړو په حال آګاه یمه زهٔ
عمراخان داؤ تر کابله کوی
په بهادرانو کښې (ئې) نهٔ ستایمه زهٔ
چې زوے ئې نهٔ وو فساد ئې څهٔ له کوهٔ
رحمت په ښار بټ خېله وایمه زهٔ
سر ئې کړو داؤ جنګ ئې پخپله کوهٔ

بدله:

دا دَ پښتو ژبې ډېر زوړ صنف دے. دَ دې دَ مشهورتیا اندازه له دې خبرې لګېدے شی چې دَ پښتو ژبې ټول لټریچر په بدله کښې دے. بدله دَ مثنوی په معنی استعمالېږی اګر چه بعضې خلق په هر

منظوم څیز باندې دَ دې اطلاق کوی خو لکه څنګه چې دَ دې دَ ظاهری صورت نه ښکاره ده دَ بدلې مطلب دے (بدله شوې). له دې ظاهرېږی چې په اصل کښې دا دَ مثنوۍ دویم نوم دے او هغه خلق چې دا په نورو معنو کښې استعمالوی سراسر په غلطه دی .

دا صنف دَ پښتو شاعرۍ دَ دواړه قسمونو کۀ هغه رزمیه ده او کۀ بزمیه، مکمل هنداره ده. مذهبی کتابونو مثلاً (اسرار العارفین او قصص الانبیاء)،ناول یعنی ممتاز شهزاده، لیلی مجنون، ادم درخو، فتح خان رابیا، جلات محبوبه، جنګنامې مثلاً جنګ نامه امام حسین، جنګ نامه حضرت علی، جنګ نامه امیر حمزه او جنګ نامه انور بے پاشا ټول هم په دې صنف کښې دی .

په دې صنف کښې احمد جان کمال ته رسېدلے وو او لاندینۍ بدله دَ هغوی ده:

یو تربله واړه خلق غولول کړه
لاس به درنۀ کړی کوهی ته غورځول کړه
لار دَ خلې دَ زړۀ ئې یو نۀ وی دلبنده!
ورور دَ ورور په مرګ خوشحاله وی له ژونده
امان غواړه دَ دې دهر له یارانو
احمد جانه په خوئ زیات دی له مارانو
په شا ښرته لکه مار کوی ګذار
پټ دښمن دے په ښکاره به دې وی یار
نن مې بیا په زړۀ بلېږی هور دَ عشق
ځکه خېژی مې له خلې نه شور دَ عشق
هور دَ مینې مې دَ زړۀ په سر بلېږی
لکه کب دَ زړۀ په وینو کښې تلېږی
کبرژن اشنا مې نۀ کوی پښتنه
ولې شور فریاد کوی په زړۀ دردمنه!
دَ یار مینې رانه شرم حیا یوړه
دَ اوبو په سر ئې اوچه ګیاه یوړه
خبر نۀ یم چې په څۀ ګناه مې نیسی
چې په هور مې وریتوی دَ سترګو کسی
الله هو:

له دې ټولو اصنافو علاوه یو بل صنف (الله هو) هم شته چې اردو کښې ورته (لوری) وئیلے شی. دا واحد څیز دے چې تقریباً په ټولو پښتنو کښې دَ څۀ لږ ډېر تغیر سره رائج دے او په حقیقت کښې دَ پښتو اولسی سندرو اصلی شکل هم دا صنف دے .

الله هو شه الله هو زما جانه الله هو
زما بچے داسې اودۀ دے لکه پنډ دَ پتاسو الله هو
په کوزه چنه مۀ راځه په بره چنه ورو
په دې لارې مۀ راځئ غلو، الله هو
الله هو شه الله هو، زما جانه الله هو
للے للے للے للو، الله هو
پلار دې تلے دے په جنګ
ښۀ تېره تُوره ترخڼګ
سر به ورکاندی په ننګ
په وطن راغے فېرنګ

دَ خدایی خدمتګار تحریک رسالې (پښتون) کښې دَ (الله هو نظمونو) مقابله شوې وه چې زنانوؤ لیکلی وو. یوې زنانه سیده قرة العین په دې لړ کښې یو پوره نظم لیکلے وو چې دَ پښتون فطرت بیان ئې پکښې کړے وو او دَ دوی دَ مثبتو جذباتو عکاسی پکښې شوې وه. نظم دا دے:

الله هو شه الله هو
تۀ نمسے یې دّ خالد
غزنوی دې دے والد
ولې زړۀ لرې جامد
الله هو شه الله هو
تۀ زلمے شه د کرنګ
له دښمن اونۀ کړې څنګ
ملک نه لرې کړه فېرنګ
الله هوشه الله هو

کسب ګر

نورالرحمان سحر

نن د چټۍ ورځ وه، ما پرون مازيګر خپل واړهٔ نيکهٔ کره شپې له بوتلی وو، خيال مې دا وهٔ چې سبا ئې ترهٔ د نيکهٔ د کور په لاره راځی نو ځان سره به ئې راولی ـ زهٔ سحر لس بجې په دې نيت له کوره راووتم چې د سر سنت د پاره وزير له ورشم خو له بده مرغه نن يو وارې بيا د هغهٔ دکان بند وهٔ ـ سمستی مې ''شينو'' ذهن کښې وبرېښېدهٔ ـ ''شينو'' مې اوس لږ ډېر اشنا شوے هم وهٔ او د کومې ورځې نه چې راته هغهٔ خپله قيصه تېره کړې وه، خداے شته د وزير دکان ته به بيا ډېر په زړهٔ ماتی ورتلم، خو چونکې کوڅه کښې وهٔ راسره په دې وجه مې ورسره پرېکړه هم نهٔ شوه کولې ـ

خېر ما سمدستی د لوے سړکه مخه ونيوله او چې څنګه د خپل کور د کوڅې د لارې نه لوی سړک ته مخ په قبله راتاؤ شوم نو د لرې نه مې د شينو د دکان مخې ته ګڼه ګوڼه وليده ـ په تندۍ ور وړاندې شوم ، ځان مې ګنې ته ور ورسولو او چې څنګه مې کټ کښې په سرو وينو رنګ بنګ شينو باندې نظر پرېوتو نو يو دم مې زړهٔ غوپه غوپه شهٔ ـ هغهٔ دغه وخت بې هوشه وهٔ ، د وازې خلې نه ئې د درد له زوره زبېرګی ختل ـ ګورو لويو ويښتو کښې ئې لکه د نور کله پشان په مينځ لاره جوړه وه چې د وينو لختې پرې رامات وهٔ ـ شنې غټې سترګې ئې بېخی پټې وې ـ بربت ئې چونکې تازه خرئيلی وو ځکه ئې په برنۍ شونډه زخم هم ډې واضحه ښکارېدهٔ چې توده وينه پرې چکه شوې وه ـ او د ګيڼ اننګی د پاسه ئې د څلور ګوټيزه تازه خرب سره وينه لکه د شبنم د څاڅکو په مخ ترمرۍ بهېدله ـ

د هغهٔ په دغه دړدېدلی حالت ليدو زما د روغ زړهٔ نه لکه د رنځور سړيکه وختله ـ څهٔ کسان راجمع وو، د هغهٔ د دکان د سينګاری فرېم غټه شيشه ماته وه او دننه په فرش غورزېدلې مختلف کرېمونه ، صابونونه، شېمپوان، د پوډرو ډبې ، منګزې، قېنچيانې، بلېډونه، برشونه او تولې وغېره د بهر نه ښهٔ صفا ليدې شوې ـ د شينو د کار کرسۍ هم اپوټه پرته وه ـ

''ډبنګ'' د دکان مخې له سرې سترګې، څېرې ګرېوان ولاړ وهٔ او د دکان په فرش غورزيدلی ګډوډ سامان او څيزونو ته ئې په زوړند اوربوز کتل ـ

دغه دوران کښې د ګياره بائيس (1122) د موټر اواز د لرې نه واؤرېدے شهٔ او بيا د سترګو رپ کښې راورسېدهٔ ـ چا خواخوږو ورته کال کړے وهٔ او بې هوشه زخمی شينو پکښې واچولے شهٔ ـ يو مشر ورسره هم ګاډی کښې په تادۍ کښېناستهٔ څوک نزدې رشته دار ئې معلومېدهٔ ـ

زهٔ لا تر دغه دمه په دې خبره نهٔ ووم رسېدلے چې د شينو په دکان حمله چا او ولې کړې وه، چې غوږونه مې تکۍ کړل نو د ګلاب دين کاکا چميار دا خبره مې تر غوږو شوه چې هلکه کسب ګر سړے ئې، چې خانانو درپسې سوال جواب راولېږل چې کار له حجرې ته راشه نو تلے به وې کنه، د زورورو او کمزورو چرته کېږی ـ څهٔ ئې وکړل خو د خان په ټوپک مارو ئې خپل ځان غوبل کړهٔ کنه ـ ا خو شکر دے چې ډزې پرې وهٔ نهٔ کړې، ګنی هغوی نا ترسو خو پرې په کونداغونو زړهٔ سپک کړے دے ـ

امين دکاندار زياته کړه چې کاکا دا غريب لا نوے دے، دهٔ ته څهٔ پته وه چې دلته د غريب سړی خپله خوښه نهٔ چلېږی ـ هغه څهٔ کېږی چې خانان غواړی ـ وېم الله دې اوس ژوند ته خېر کړی، ډېر بدبد ئې وهلے دے ، ځکه چې دهٔ ورسره هم لاس اچولے وهٔ ـ

ما يو سوړ اسويلے وکړهٔ او په ټوله قيصه ورسېدم ـ زړهٔ کښې مې وې نېک بختو! تاسو ته څهٔ پته ده چې شينو څوک دے ؟ او د دې کسب د پاره هغهٔ د څومره لوې قربانۍ نه تېر شوے دے ـ ډېر په مات زړهٔ راروان شوم او واپس مې د خپل کور مخه ونيوله ـ

د کور دروازه مې ځان پسې له دننه کونډه کړه په بېټکی کمره ورننوتم ـ پېزار مې وويستهٔ او کټ کښې خفه دلګير ډډه شوم ـ د ذهن نه مې د شينو څهره نهٔ وتله ـ د دغه پنځهٔ ويشت کلن ښائسته ځوان خوږې پستې خبرې او قلار خوی مې مخکښې مخکښې کېدهٔ ـ او د ګناهګار زړهٔ نه مې دغه يوه بې ريا دعا ختله چې الله ئې د ژوند ورېشه ختمه نهٔ کړی ـ

شينو يقيناً چې زمونږ علاقه کښې لا نوے وهٔ ـ دغه د شنو سترګو ښائسته زلمے دې سيمې ته لږه موده وړاندې په کډه راغلے وهٔ ـ د دکان پرانستلو ئې ه ګرانه درې نيمې مياشتې کېدې ـ زهٔ د هغهٔ دکان ته په وړومبی ځل د خپل ځوی ايمل خان په وجه ورغلے ووم، ولې چې هغهٔ له ئې هم د دکان د فرېم په شيشه د ''هېئرسټائل'' غټ سائز بروشر ليدلے وهٔ ، کوم چې به په سړک تېرېدونکو لارو له د لرې نه ښکارېدهٔ ـ ما ته ياد شی چې د ايمل خان وېښتو جوړولو سره ئې ډېره خواری کړې وه او چې کله دريا خيان کوراړی راواخسته چې ما له به هم وېښتو ښې د ايمل په شان سټائل جوړوی ګنی سکول ته نهٔ ځم نو مجبوراً مې ورپسې په بله ورځ هغهٔ هم بوتلے وهٔ ـ زهٔ چې به د سکول ډيوټۍ له په موټرسائېکل د شينو دکان په غاړه تېرېدم نو د لرې نه به ئې راته ډېر په مينه لاس اوچت کړهٔ ـ

تقريباً مياشت به ئې کېږی ، د اتوار ورځ وه، زهٔ د ماسپښين د مانځهٔ نه پس د وزير دکان پله د وېښتو او ږيرې سټ کولو په غرض روان شوم، د هغهٔ دکان بند وهٔ زړهٔ کښې مې وې، په وزير څهٔ جنډا خو نهٔ ده ولاړه، راشه شينو له ورشه، خواری کښې هم دے او کار ئې هم صفا وی ـ

زهٔ چې د شينو په دکان وردننه شوم او سلام مې واچوهٔ نو هغهٔ راله ډېر په خوږه ژبه په خپل مخصوص انداز کښې د سلام جواب راکړهٔ ـ په دېوال لګېدلی فرېم کړی غټې شيشې ته مخامخ په څلور تنيز بنچ کښېناستم او شا ته دېوال ته ډډه شوم ـ د هغهٔ دکان کښې د خپل کسب مختلف اوزارو او هغې سره تړلی د ضرورت څيزونه په يو خاص ترتيب په خپل خپل ځاے پراتهٔ وو ـ شينو د جامو د پاڅه د کارټين قميص اغوستے وهٔ ـ کرسۍ کښې ورته څوک مېلمه حجامت ته ناست وهٔ، چې له غاړې ئې د سور رنګ څپوټکے لکه د لاړ څاڅی تاؤ وهٔ ـ او شينو ئې په خپلو هنری لاسونو حجامت پستولو کښې مصروف وهٔ ـ

د کوټلی غوښن وجود يو دولس کلن هلک لګيا وهٔ، په اوګه پرتې ٹمړنې توليې ئې د يوې لختې په زور بيلر سره خوا کښې بره قطار کړی تړلو جنجرو ته وربانډه کولې ـ دکان کښې په مناسب اواز رېډيو لګېدلے وهٔ چې د ښاغلی مهراندېش د شعر و شاعرۍ پروګرام پرې خورېدهٔ ـ

''استاجی ډېر په صحيح وخت راغلے خه '' شينو ما سره خلهٔ ګډه کړه ـ

''هغه څنګه'' ما د هغهٔ د خبرې په جواب کښې ووې ـ

''سحره راسې ډېر زيات رش وه، پوره پټه وچلېده ، ايله اوس مو يوه ٹمړۍ ٹمړۍ روټۍ وخوړه او مونږ مو پکښې وکړهٔ ، تهٔ بختور ئې، هډو بل څوک شته نه، بس دې مېلمه پسې دې ٹمبر دے او بل د مهر صېب پروګرام هم چالو دے لږ ساعت مخکښې ئې پکښې ستاسو هغه کرسو والا غزل واؤروهٔ'' ـ

''خه!'' ما د هغهٔ د زړهٔ د تسلۍ د پاره په مسکی انداز کښې ووې ـ

''جی! دا خالد خان ساحل يوسفزے صېب دے، د دې علاقې ډېر لوے شاعر دے او په ټی وی رېډيو هم راځی'' هغهٔ کرسۍ کښې ناست مېلمه ته زما رسمی پېژندګلو واؤروله ـ

مېلمه مخامخ شيشه کښې ما ته وکتل او احتراماً ئې راته سر وخوزولو ـ ما ئې هم سترګو کښې مننه ادا کړه ـ

''ډبنګه'' ورشه استاجی له ښې مزېدارې چاې ووايه '' هغهٔ د لاس په تلی جمع کړی حجامتی سپين زګه په بلېډ چاړهٔ ډېر په هنر راغونډ کړهٔ او ګس طرفته ګټ کښې پروت ټيمی ډسبن ته ئې د لرې نه د دؤ ګوتو په زور ورلړه کړهٔ ـ

''نه جی، تکليف مهٔ کوئ، اوس لږ ساعت وړاندې مې کور وڅښکله'' ما د هغهٔ د خلوص په جواب کښې ووې ـ

ولې ''ډبنګ'' بیا د ''جی استاد'' د توریٔ سره د دکان نه وتلے وهٔ ـ

شینو خپل لاس په صافۍ پاک کړل، څهٔ شیبه ئې قېنچی د مېلمه په برېتو او ختونو کښې وقړچوله ، بیا ئې ورله په دستی فواره په مخ ترمتیا وکړه ـ په صفا تولیه ئې اوچ کړهٔ ، تلی کښې ئې د ډېټالو اوبهٔ او لوشن یو ځاے کړل، دواړه تلی ئې خپلو کښې ومږل او د مېلمه د مخ په رغوڼه ئې دواړه لاسونه ګډوډ راښکل ـ ورپسې ئې یو ذره شان تبت کریم د هغهٔ په اننګو او پوزه، تندی ټاکۍ کړل او د خپلو پستو ګوتو او تلو په ذریعه ئې ورله د ټول مخ په کاسه خوارهٔ کړل ـ په تندی ئې ورله لړه شان چاپی وکړه، وېښتهٔ ئې ورله ګومنز کړل او د ''جی نور'' د ټکی سره ئې لکه چې خپل کار سر ته ورسوهٔ ـ مېلمه د کرسۍ نه د ''مهربانۍ'' لفظی ادائیګۍ سره پاڅېدهٔ ، شینو کرسۍ د وېښتو نه وڅنډله او ما ته ئې کرسۍ کښې کار ته د کښېناستو د پاره اشاره وکړه ـ

زهٔ د بېنچ نه راپاڅېدم ، مېلمه سره مې ستړی مهٔ شی وکړل او کرسۍ کښې کښېناستم ، هغهٔ د وصولۍ نه پس ډېر په طریقه مېلمه رخصت کړهٔ او ما ته راوګرځېدهٔ ـ

''ښه جی! استاجی څهٔ به کوؤ '' هغهٔ زما نه پوښتنه وکړه ـ

''وېښتهٔ او ږیره به سېټ کول غواړی ، خو چې ګورې وېښتهٔ ډېر واړهٔ نهٔ شی'' ، ما سپارښتنې انداز کښې ووې ـ

''وهٔ به شی ، انشاء الله '' شینو په خوږه پسته ژبه جواب راکړهٔ ـ هغهٔ سور مخصوص څپوټکے لکه د هغهٔ مېلمه زما غاړې ته وتړهٔ ـ د کرسۍ شا ته اړم ئې ښکته کړو ، په وېښتو ئې راله ترمتیا وکړه ـ زما د خپل سټائل مطابق ئې راله وېښتو کښې په مینځ لاره وویستله ـ قینچی منګز ئې لاس ته کړل او په کار ئې ګوتې پورې کړې ـ

ما شیشه کښې په غلچکی نظر د هغهٔ د کار جائزه اخسته ـ هغهٔ چې به په خپل زده کړی ترتیب موټی کښې زما د سر وېښتو څوکې وغوړولې او بیا به ئې ترېنه په قېنچۍ سرونه په یو کړپ سره پرې کړل نو ورسره به ئې دوه درې وارې هسې قینچی وقړچوله او منګز له به ئې قېنچۍ سره په جنګېدو هسې یو ټک پورته کړو په ګړۍ به ئې ګوچی برش ته لاس کولو او زما د څټ نه به ئې پرې پرېکړی غورزېدلی وېښتهٔ صفا کول ـ خو کوم څیز چې زما زړه ګیپ نیولے وهٔ هغهٔ د شینو خپل ګور ښائسته وېښتهٔ وو، چې په یو خاص ترتیب پراتهٔ ډېر په هنر جوړ شوی وو او د هغهٔ ښائست ئې یو په دوه کړے هٔ ـ

هغهٔ رېډیو له هم غوږونه تکۍ کړی وو او ما له ئې کار هم کوؤ ـ

'' شاعری دې جوړ ډېره خوښه ده'' ما د هغهٔ نه تپوس وکړهٔ ـ

''او جی، ډېره زیاته، او ستاسو شاعری هم'' هغهٔ مسکی انداز کښې لنډ شان جواب راکړهٔ ـ

''زما شاعری' ما په حېرانتیا وپوښتنل ـ

''هو، جی...... بلکې زهٔ خو د مردان ټول شاعران لږ ډېر پېژنم '' هغهٔ زیاته کړه ـ

''ښه، دا خو ډېره ښهٔ خبره ده .... سبق مو وئېلے دے؟؟ '' ما د هغهٔ نه څهٔ رسمی شان پوښتنې شروع کړې ـ

''جی، لسم مې پاس کړے دے'' هغهٔ جواب کښې ووې ـ

''ډېره ښهٔ خبره ده'' د کوم کلی اوسېدونکے ئې، مطلب چرته نه راغلے ئې؟'' زما په دې پوښتنه هغهٔ یو سوړ شان اسویلے وکړهٔ ـ

''د سنګر کلی یم..... خو''

''څهٔ خو'' ما د شینو نه لږ وضاحت وغوښتهٔ ـ

''مطلب دا چې اوس د سنګر کلی نه پوخ راغلے یم''، هغهٔ ما له څهٔ نیمګړے شان جواب راکړو ـ

''تاسو پلار په نیکهٔ دا کسب کوئ'' ما بیا وپوښتل ـ

''نه جی، زما پلار کسب ګر نهٔ دے، صرف ما دا کار زده کړے دے '' هغهٔ وضاحتی رنګ کښې ووې ـ

''استاذ دا چاې یخه شوه'' ډبنګ اواز وکړو ـ

''هله نو پیالو کښې ئې واچوه کنه، شابه، تهٔ غږ ولې نهٔ کوې؟ شابه چې ساحل صېب ئې وګوټی'' شینو ډبنګ ته جواب کښې ووې ـ

ډبنګ، چاې پیالو کښې واچوله ، یوه ئې په انګیټۍ زما او بله د شینو استاذ مخې ته کېښوده ـ چاې واقعی یخه شوې وه، ځکه ما دوه درې ګوټه کړه او شینو بیا زما په وېښتو جوړولو ګوتې پورې کړې ـ

''دا ماشوم ډبنګ'' ما هغهٔ ته په اشاره پېژندګلو وغوښته ـ

''جی، دا مې رشته دار دے، جواد نامه ئې ده، د مینې نه ورته ډبنګ وایُو'' .

''ښه ښه، ډېر خوږ ورسره لګی، دغه نوم ډبنګ'' ما په مسکی انداز جواب ورکړو ـ

''رښتیا تهٔ پخپله په چا وېښتهٔ سېټ کوې؟؟'' ما د شینو نه یو بل تپوس وکړهٔ ـ

''زهٔ خو وېښتو سېټ کولو له کراچۍ ته ځم''، هغهٔ څهٔ غېر منطقی جواب راکړهٔ ـ

''کراچۍ ته! مړه ګپ مهٔ لګوه، رښتیا راته ووایه، تا وېښتهٔ واقعی چا ډېر په هنر سېټ کړی دی، ډېر ښهٔ درسره لګی'' ما خبره درنه کړه ـ

''نه واقعی استاجی ، ګپ نهٔ لګوم ، زهٔ خپله هر دوه میاشتې پس وېښتو سېټ کولو له کراچۍ ته ځم، زما هلته یو اشنا دے، سوید، هغهٔ سره مې ملاقات هم ووشی او کار راله هم وکړی، بلکې ما خپله هم دا کسب هغهٔ سره کراچۍ کښې زده کړے دے'' شینو وضاحتی رنګ کښې ووې ـ

''هغهٔ څنګه د زړهٔ سره'' د هغهٔ په دغه خبرو زما تلوسه سېوا شوه ـ

''استاجی دا ډېره اوږده قیصه ده، پرېږده ئې'' هغهٔ څهٔ په مات زړهٔ ووې ـ

''ګوره د زړهٔ سره، استاجی راته هم وائې، زما شاعری دې هم خوښه ده او د زړهٔ حال رانه هم پټ ساتې، خېر دے، سر سری ئې راته ووایه، ستا زړهٔ به هم سپک شی او زما تلوسه به هم ختمه شی، یا کېدی شی زهٔ دې پکښې څهٔ مدد وکړے شم'' ما شیشه کښې په تاؤ کړی نظر د هغهٔ د مخ تاثراتو ته هم کتل او د خپلو وېښتو جائزه مې هم اخسته ـ

''خبره دا ده استاجی چې زهٔ ذاتی کسب ګر نهٔ یم، زما پلار سنګر کلی لوے خان دے ـ طاؤس خان سنګر خېل نامه لری، زما خپل نوم مشکار خان دے، مور مې دې الله وبخښی، د مینې نه به ئې راته شینو وې او د خپلو شنو سترګو په وجه تر اوسه په شینو یادېږم خو ما خپل دکان له د بل چا په وجه ''شینو هئېرډرېسر'' نوم ایښودے دے ''ـ

هغهٔ چې د خپل زړهٔ ښېۍ راوسپړدې نو زهٔ کرسۍ کښې خپل ځان کښې لږ راټول شوم ـ

زما د کاکا ځوی شېرخان لالا په کراچۍ کښې الکرم ټېکسټائل ملز کښې کار کولو، ډېر ښهٔ کار ئې وهٔ، یو ځلې ورسره زهٔ هم چټهیانو کښې تلے ووم، دغه وخت ما لسم پاس کړے وهٔ، د کاکا ځوی سره مې ټېر هم وهٔ، مونږ به ''کورنګی'' کښې پاتې کېدو، ما به هغوی له د کور سود سودا کوله او د شېر خان لالا درې کلن ځوے ارمان به مې بهر لوبو له بوتلو رابوتلو ـ مونږ ته مخامخ ''ګلۍ'' کښې یوه نائی خانه وه، زهٔ به اکثر دغه نائی خانه کښې ناست ووم، ارمان به راسره وهٔ ـ شېر خان لالا به ناوخته کور ته راتلو، د هغه نائی خانې د مالک ځوی سوېد سره زما ملګرتیا جوړه شوه ـ د ډبنګ ماما جاوېد په دغه نائی خانه کښې په تنخوا کار کولو ـ سوېد او جاوېد تقریباً دواړه زما همځولتیا کښې وو ـ د سوېد پلار به هم کله کله نائی خانې ته راتلو خو سوېد به پکښې مستقل کار کولو ـ ما به د سوېد او جاوېد کار ته ډېر په شوق سره کتل او چې کله هغوی ته به کار ډېر زیات شو نو کله کله به ئې پکښې ما ته هم کرسۍ کښې څوک ماشوم کښېنولو ـ دغه شان ورو ورو زما دا کسب هم پخېدهٔ او زمونږ تر مینځه تعلق هم ـ خبره دې حد ته ورسېده چې بیا به د سوید دی له کوره زما برخه ډوډۍ هم راتله او زما سوېد دی کره تګ هم شروع شهٔ ـ او بیا به په ما د سوېد دی د کور روټۍ دومره خوږه لګېده چې .....'' هغهٔ خبره نیمګړې پرېښوده ـ

‘‘د هغوی د کور ډوډۍ به دربانديِ ولې خوړه لګېده ، څهٔ خاص خوبي وه پکښې‘‘ ما د شینو خوږه قیصه کښې خداے خبر ولې څهٔ بې ځایه راودانګل ـ

‘‘اصل کښې استاجی د سوېد شینوګۍ خور وه، زما زړهٔ ته په ټوقو ټوقو کښې داسې پرېوتې وه چې بیا به ما هېڅ بې هیڅه د هغوی کور ته د تلو د پاره بهانې لټولې ـ او ما داسې محسوسه کړې وه چې د هغې هم په ما سترګې خوږې شوې وې ، خو په ما قیامت هغه وخت راغے چې کله زما پلار کراچۍ ته راورسېده ‘‘ـ

‘‘هغهٔ څنګه د زړهٔ سره ‘‘ ما د شینو نه په قیصه د رسېدو د پاره یوه بله پوښتنه وکړه ـ

دغه وخت شینو د کالر دننه زما ګېرچاپېره څټ او مرۍ په بوچی برش صفا کړهٔ، وېښتهٔ ئې راله ګومنز کړل، سور څپوټکے ئې راله د غاړې نه راغونډ کړهٔ د ړیرې سپټ کولو د پاره ئې رانه صفا تولیه او کپړه تاؤ کړهٔ ، د کرسۍ اړم ئې راته زما دقد مطابق برابر کړهٔ او ما کپړۍ د کرسۍ اړم سره جُخته کړه ـ

‘‘خبره دا ده استاجی چې پلار ته مې چا دلته کلی کښې وئیلی وو چې ځوی دې کراچۍ کښې نائی توب شروع کړے دے، یوه ورځ زهٔ سوېد او جاوېد سره دکان کښې مشغول ووم، چې پلار مې ناګهانه دکان په ورهٔ راننوتو ـ دغه وخت دکان کښې لس اتهٔ کسان موجود وو، زما د لاسو پښو نه دم وختو، د پښو لاندې مې زمکه وتختېده خو ځان مې قابو کړهٔ، پلار مې د راتلو سره په یوه ساه لګیا شهٔ ، وئ، بې غېرته! تا له شرم هم نهٔ درځی چې دلته دې نائی توب شروع کړے دے، خلکو له حجامتونه کوې، کوم خلک چې مونږ ته مخامخ کتلے هم نهٔ شی، تا د هغوی کسب شروع کړے دے، خلکو له چاپۍ او مالشونه کوې، دله تا له د پلار نیکهٔ د لوی نوم نه هم حیا نهٔ درځی، ای بې غېرته لا خو ... دا زړهٔ خو مې وائی چې هم دلته درله په مرۍ غلے شم او په سمندر دې لاهو کړم، زما پلار ښهٔ په غصه کښې د بلها خلکو مخکښې لکه د یو فلمی ولن یو جذباتی ډائیلاګ واؤروهٔ ، ولې ما نه هم د شنو سترګو د مینې زور هیرو جوړ کړے وهٔ ، چغې مې کړې چې یه خلکه دا سړے څوک دے، دې خو زهٔ نهٔ پېژنم، زهٔ خو مزدور کار یم دا ګورے زما پلار نهٔ دے، په دهوکه مې درنه بو نهٔ ځی ـ زهٔ دې بېخی نهٔ پېژنم ، دروغ وائی، اداکاری کوی، د دکان نه ئې بهر کړئ ، زما پلار چې زما دغه مارې کوکارې او مکر ولیدهٔ نو لکه د ښامار تاؤ راتاؤ شهٔ ، زما په مخ ئې یو توپه توکاڼی راوتوکل او غړمبېدلے په یو شغ سره د دکان نه ووتهٔ ‘‘ ـ

‘‘الله قران ګو وی، تهٔ خو جوړ هم پوره اداکار ئې ښه‘‘، ما شینو ته څهٔ په تختې ژبه ووې، ولې چې هغهٔ دغه وخت لګیا وهٔ زما نرۍ پټی فیشنی ږیرې له ئې غاړې اخستې او زما مرۍ بره کتو سره لړه خپی وه ـ

ما چې څټ رانېغ کړهٔ او مخامخ شیشه کښې مې په نیم کښو نظر ووکتل نو ډبنګ هم شا ته په بنچ ناست وهٔ او زمونږ خبرو ته ئې غوږونه تکۍ کړی وو ـ دغه دوران کښې یو دوه زلمی هم دکان ته راننوتل ، هغوی سلام وکړهٔ او شینو ورته ډېر په مینه سترې مهٔ شی ووئېل ـ

‘‘شینو! اوبهٔ تودې دی‘‘ یو زلمی پوښتنه وکړه ـ

‘‘هو، بالکل، اے ون.... ډبنګه ! ورشه بیلر ته درې ورلاندې کړه‘‘، شینو ډبنګ ته هدایات ورکړل، او ډبنګ د ‘‘جی استاد‘‘ د غږ سره بېلر ته هور تازه کولو د پاره دکان شاته ورتاؤ شهٔ ـ

‘‘ښه، نو لکه ستا پلار تهٔ د کراچۍ نه ځان سره کلی ته رانهٔ وستلے‘‘ ما شینو ته قیصه وریاده کړه ـ

‘‘هو، جی، خو غضب دا وشهٔ چې څهٔ وخت پس هغهٔ شینوګۍ د ترهٔ ځوی ته وادهٔ شوه، ولې چې مور پلار په وړوکوالی هغهٔ ته بخښلې وه ‘‘

‘‘دا څهٔ وې یار، نو تا په دې خبره هډو څهٔ ردعمل وهٔ نهٔ کړهٔ‘‘، ما د شینو نه په تلواره وپوښتل ـ

‘‘ ما څهٔ کړے وې استاجی، ورور ئې راته وې چې مونږ د خپلو ذاتی کسب ګرو نه بغېر چا له خپله لور خورنهٔ ورکوو ‘‘، شینو خبره سپینه کړه ـ

‘‘ښه نو بیا‘‘، ما بیا پوښتنه وکړه ـ

‘‘بیا څهٔ جی، زما زړهٔ بیا کراچۍ کښې نهٔ لګېدهٔ ، د ترهٔ ځوی خو مې ټبر د مخکښې نه کلی ته واپس رالېږلے وهٔ ، زهٔ هم لږې ورځې پس نېغ خپل کلی ته راغلم ـ خو کلی کښې راسره پلار هم هغه ټوقه وکړه، کومه چې ورسره ما کراچۍ کښې کړې وه‘‘، هغهٔ زیاته کړه ـ

‘‘هغهٔ څنګه‘‘ ما وضاحت وغوښتو ـ

‘‘زهٔ پلار له په پښو پرېوتم چې داجی! غلطی رانه شوې ده، ما معاف کړه، خو هغهٔ صفا انکار وکړهٔ چې تهٔ څوک ئې، زهٔ خو تا نهٔ پېژنم، څو وارې مې پرې جرګې ننواتې هم وکړې خو خوند ئې وهٔ نهٔ کړو بلکې اُلټا ئې خپل مال جائېداد نه هم ووېستلم ‘‘، هغهٔ ډېره په دردمنده لهجه کښې ووې ـ

‘‘دا څهٔ وې یار، نو بیا دلته څنګه راغلے او دا دکان...؟‘‘، ما د شینو نه بله پوښتنه وکړه ـ

‘‘درې کاله وشو چې د کراچۍ نه مستقل راغلے یم، ولې سوېد سره هغه شان خپل تعلق شړم، هر دوه میاشتې پس کراچۍ ته د هغهٔ ملاقات له ځم، جاوېد چې ما سره ئې کراچۍ کښې ملګرتیا جوړه شوې وه، د ډبنګ ماما دے، او اوس ئې دلته ځان له مردان کښې خپل دکان پرانستے دے، د هغهٔ په مرسته ما هم دا دکان کړے دے، ولې چې اوس مې خپل هم دے ، استاجی ما ته په دې کسب فخر دے، ځکه چې د دې له سره ما ډېر څهٔ ځار کړی دی، او دا مې ایمان دے چې تر مرګه به دا کسب پرې نهٔ ږدم ‘‘ ـ

د دروازې د بې واره ډبا سره زما د خیال امېل دانه وانه شهٔ، کټ کښې په هېبت راجګ شوم، د بېټکی کمرې نه راووتلم او د کور د ګېټ ټمبرۍ مې له دننه غاړې په تلوار خلاصه کړه ـ اېمل خان او دریا خان مخکښې او مور ئې ورپسې ـ بابا ، السلام علیکم ، دواړو بچو مې په برغ اواز ووې ـ د دې نه وړاندې چې ما ترې څهٔ تپوس پوښتنه کړے وې، ورور مې ورپسې قدم کښې راننوتو او راته ئې ووې ـ

‘‘هلکه! خالده! د سړک هغه شینو نائی مړ شهٔ، ګاډی کښې ئې راؤړهٔ،‘‘ زما زړهٔ یو دم پرېوتهٔ، ډېر زیات بې سُره شوم، زړهٔ کښې مې وې اوس کهٔ د مشکار خان شینو پلار طاؤس خان سنګر خېل د هغهٔ په سر شل مړی وکړی نو څهٔ پرې، شینو خو د ‘‘کسب ګر‘‘ په نوم خپله ځوانی وبائېلله کنه ـ

MEZARY/STRAW WORK

Bilitang, a union council in District Kohat, is known for its Mizary Work. Mainly done by females in their houses, raw material is obtained from near District Tal. Males play their role in obtaining raw material and then marketing/selling final products. Products line includes mats, baskets, purses, rugs, decoration items etc. Currently these products are being sold in Kohat, Peshawar and Islamabad markets.

In Mardan, Jando Bazar is another place where Mizary Work is done. Products are handmade and offered to local market for sale.

Mizary Work can also be found in Karak, Bannu and Nowshehra. Production is done in houses by females. Once completed final product is offered for sale in local markets. Some females also go from home for a door to door sales.

Go to Content Page

ګندهارا

د پښتونخوا د لرغونو اثارو ننداره

اکبرهوتي

ګندهارا چې د سنسکرت ژبې د دو تورو نه جوړ دے ګند او هارا "ګند" اوبو ته وئیلي شي او "هارا" معني خاوره یعني د اوبو خاوره یا سیمه، خو په اصلاحي توګه ګندهارا معني د خوشبیانو سیمه ده پښتونخوا په مخ د زمکې په هغو سیمو کښې یوه سیمه ده چرته چې قدرت د انساني ژوند د اسانتیا دپاره هر نعمت پیدا کړے دے، د همالیې او هندوکش د دنګو دنګو واورینو غرونو نۀ ختمېدونکے سلسلې، پراخه مېدانونه، ځنګلونه، سیندونه، مته ور انسانان او بیا څلور واړه موسمونه د دې وطن وسیلي سرچینې او منبعې دي، خو په تېره تېره د دې خاورې لرغونې اثار چې مونږ ته د دې وطن د تهذیب نخښې نښانې راښائي، او زمونږ د تهذیب ژوندي ثبوتونه دي نو هغه د ګندهارا په نوم یادیږي، ګندهارا تهذیب د جهان په اووۀ لویو تهذیبونو کښې شامل شوے دے، د ګندهارا تهذیبي اثارو په حقله د راډیو مشال له خوا یو کتابي بڼه د " د پښتونخوا د لرغونو اثارو ننداره، ګندهارا" په نوم خپره کړه چې د پښتونخوا د لرغونو اثارو یوه زړۀ راښکونکے هنداره ده، د دې نه مخکښې راډیو مشال د "لونګین" او "اتلان" په نومونو کتابي بڼې هم خپرې شوي دي چې د دې خبرې دلالت کوي چې مشال راډیو نۀ یواځې چې د خپلو نشریاتو په ذریعه د پښتو ژبې، کلتور، تاریخ، ادب او سیاست روزنه او پالنه کوي بلکې د قلمي مبارزې په ذریعه هم د خپلې خاورې د تاریخ د خوندي کولو یوه شعوري هڅه کوي، د ذکر شوي او ستائیلي کتابي بڼه ته به یوه کتنه وکړو چې د دې په ارزښت خپل لوستونکي خبر وساتو، دا کتاب ۱۸۹ صفحې او یو زړۀ راښکونکے سرپاڼه لري چې په دغه سرپاڼه د تخت بهائې د کنډرونو انځور جوړ دے، په شا مخ د مشال راډیو د خپرونو معلوماتو سره سم د وېب پاڼې پته هم لري، د دې کتاب سریزه ښاغلي داود خټک لیکلې ده چې دا وخت په پراګ، چیک جمهوریه کښې د ژوند شپې سبا کوي۔ د مشال راډیو د پېښور مسئول خالدخان خیشکي د خپلو خبرو د سرخط لاندې د دې کتاب د چاپ وجه محرکه بیان کړې ده، د پښتو ژبې وتلې شاعر او ادیب ښاغلي فرهاد محمد غالب ترین د "تاثرات" د سرخط لاندې د دې کتاب یوه کوټلې جائزه اخستې ده۔ دې کتابې بڼه کښې د ټوکونو په شکل کښې د بئیلو بئیلو سیمو معلومات او تاریخې ښودنې دي خو د دې نه مخکښې چې د دغو لیکونو کتنه او جائزه اخلو اول به په کتاب د لیکونکو پوهانو لیکونو ته زېر شو

ښاغلي داود خټک لیکي

" ګندهارا د پښتونخوا د لرغونو اثارو ننداره" د مشال راډیو د هغو هڅو برخه ده چې موخه یې ځوان کهول او راتلونکي نسل ته د بې پرې معلوماتو پر بنیاد د خپلې سیمې، خپلو مشرانو او اتلانو او خپل کلتور په اړه معلوماتو پر بنیاد د خپلې سیمې، خپلو مشرانو او اتلانو او خپل کلتور په اړه معلومات ورکول دي۔ همدا ډول دوي په دې پوهول دي چې په سیمه کښې د روانو کړکېچنو حالاتو یوه لویه وجه په ارادي یا غېر ارادي توګه له خپل تاریخ او کلتور نه بې خبري ده"

د ښاغلي داود خټک دا خبره ډېره د ستائینې وړ ده او بیخي د اوسني حالاتو انځورګري کوي چې د اوس وخت زلمے کهول نۀ د خپل تاریخ سره اشنا دے او نۀ د خپل کلتور ادب او سیاست زده کړه لري هم دغه وجه ده چې پښتونخوا وطن د بد ترین سیاسي او اقتصادي کړلیچونو سره مخ دے، د تاریخ سره اشنائي او بیا د ماضي په رڼا کښې د حال څڼه سترګه کول او د سبا دپاره مضبوط بنیاد جوړول د ژوندي او ویښ قامونو نخښې وي، اوس کۀ پښتانۀ یا د پښتونخوا اولس په عمومي توګه او زلمے کهول په خصوصې توګه کۀ د علم په لار دخپل تمدن او تهذیب څېړنې وکړي نو دوه ګټې کولې شي یو خو به علم سره یې زړۀ ولګي او بل علم سره زړۀ لګېدل د امن دپاره یو غیر شعوري هڅه هم ده،

د راډیو مشال د پېښور استاځې او مسئول خالد خان خیشکي د خپلو خبرو سر خط لاندې د دې کتاب وجه محرکه بیانوي

" د مشال راډیو ((د تاریخ پاڼه)) اوونیزه خپرونه چې کله زما په ذمه شوه نو دا مې خیال وۀ چې یو

څو د تاریخ کتابونه به واخلم، لرغونو او تاریخي ځایونو ته به لاړ شم او له کارپوهانو سره تر خبرو وروسته به زما د ۱۵ منټو پروګرام تیاروي، خو په عملي ډګر کښې داسې نۀ وه- تاریخ لیکل او بیانول په حقیقت کښې ډیر ګران کار دے، ډیره هڅه مې وکړه چې د پښتونخوا او ګندهارا لرغونو اثارو او تاریخي ځایونو په اړه کتابونه واخلم خو هیڅ داسې یو کتاب مې پیدا نۀ کړو چې د ټولو ځایونو، ودانیو او اثارو په هکله معلومات په کښې وۀ"

د خالد خان خیشکي د خبرو نه جوت ده چې راډیو مشال په شعوري ډول دا هڅې کوي چې د پښتونخوا تاریخ خوندي کړي، نوي کهول خبر کړي او راروان کهول ته یو تیار مواد کیږدي چې د خپل تاریخ نه خبر وي خپل قام خاوره او وطن وپېژني او چې کله یو انسان د خپل ځان نه خبر شي نو د ځان سره یې مینه پیدا شي او چې ځان سره مینه پیدا شي نو بیا خپل ځان بربادۍ ته نۀ و رکوي د وطن مثال هم د خپل ځان او ځیګر دے او د وطن سره مینه د ایمان حصه هم ده د خوشحال خان خټک دې شعرونو نه بیخي واضحه ده

د وطن مینه ده جانه
را پیدا ده له ایمانه
نۀ د خپل وطن کورکورې
نۀ د بل وطن شکرې
نۀ د خپل وطن پلوسې
نۀ د بل وطن للکوسې

همدا رنګه کۀ د پښتو ژبې یاد ادیب فرهاد محمد غالب ترین تاثراتو پله لاړ شو نو یو ځاے کښې لیکي

" د دې اثارو شتون دا ثابتوي چې پښتونخوا په تېرو دورونو کښې یو غني تهذیب لرلو- د علم حاصلولو لپاره یې یونیورسټي او پوهنځیونه لرل او په هر لحاظ یې استوګن مهذب وۀ، خوشحاله وو او د غوره حکمرانۍ اثار یې دا ښیي چې منظم او محکم حکومتونه یې لرل- ځکه خو د علم حاصلولولپاره دلته له لرې لرې ځایونو څخه خلک راتلل او سېلانیانو دلته راتلل ضروري ګڼل"

د فرهاد غالب ترین په لیک کښې دا یوه خبره ډیره مهمه ده چې ګندهارا د علم مرکز وۀ، د پوهاند عثمان مردانوي د تحقیق مطابق د مردان سرې بهلول پوهنتون هغه وخت د ۱۰۱ علومو مرکز وۀ چې تر اوسه د نړۍ په یو پوهنتون کښې یې مثال نشته

دا کتاب په ۲۰ مضامینو اړانه لري چې پکښې " ۱- په غارونو کښې ژوند ۲- د پښتونخوا لرغوني تاریخ ۳- د خېبر درې تاریخي ارزښت ۴- پېښور ۵- بالاحصار کلا ۶- د پېښور دېوال او دروازې ۷- د پېښور لرغونتون ۸- ګورګټړي ۹- د مهابت خان جومات ۱۰- د شهیدانو چوک (یادګار) ۱۱- د تخت بهائې کنډرات (کنډرونه) ۱۲- د کشمیر غار ۱۳- هنډ ۱۴- سوات ۱۵- اوډیګرام ۱۶- بریکوټ ۱۷- د دیر لرغوني تاریخ ۱۸- د بنو ښار ۱۹- د چرچل مورچل ۲۰- د اټک کلا"

ټول لیکونه ډېر لوے تاریخي ارزښت لري کۀ څۀ هم د تحقیقي اصولو نیمګړتیاګانې لري خو بیا هم دا یو ډیر د ستائینې قدم دے او د پښتونخوا ادیبانو او مورخینو ته د مزید تحقیق او څېړنې یو مثبت او پیاوړے پیغام دے، دا کتاب د راروان وخت له پاره د حوالې یوه ګټه وره پنګه ده او په خصوصي توګه د تاریخ د طالبعمانو دپاره خو د زده کړې او د څېړنې ابتدائي قدم دے، د راډیو مشال ټول غړي د امبارکۍ او داد مستحق دي او هیله ترې کیږي چې دا قامي او ملي دنده جاري وساتي او په راروان وخت کښې د خپل ځوان کهول دپاره نوي نوي څېړنې مخې ته راوړي، د مشال راډیو دا قامي قدم به د تاریخ په پاڼو کښې د همیشه دپاره ژوندے وي

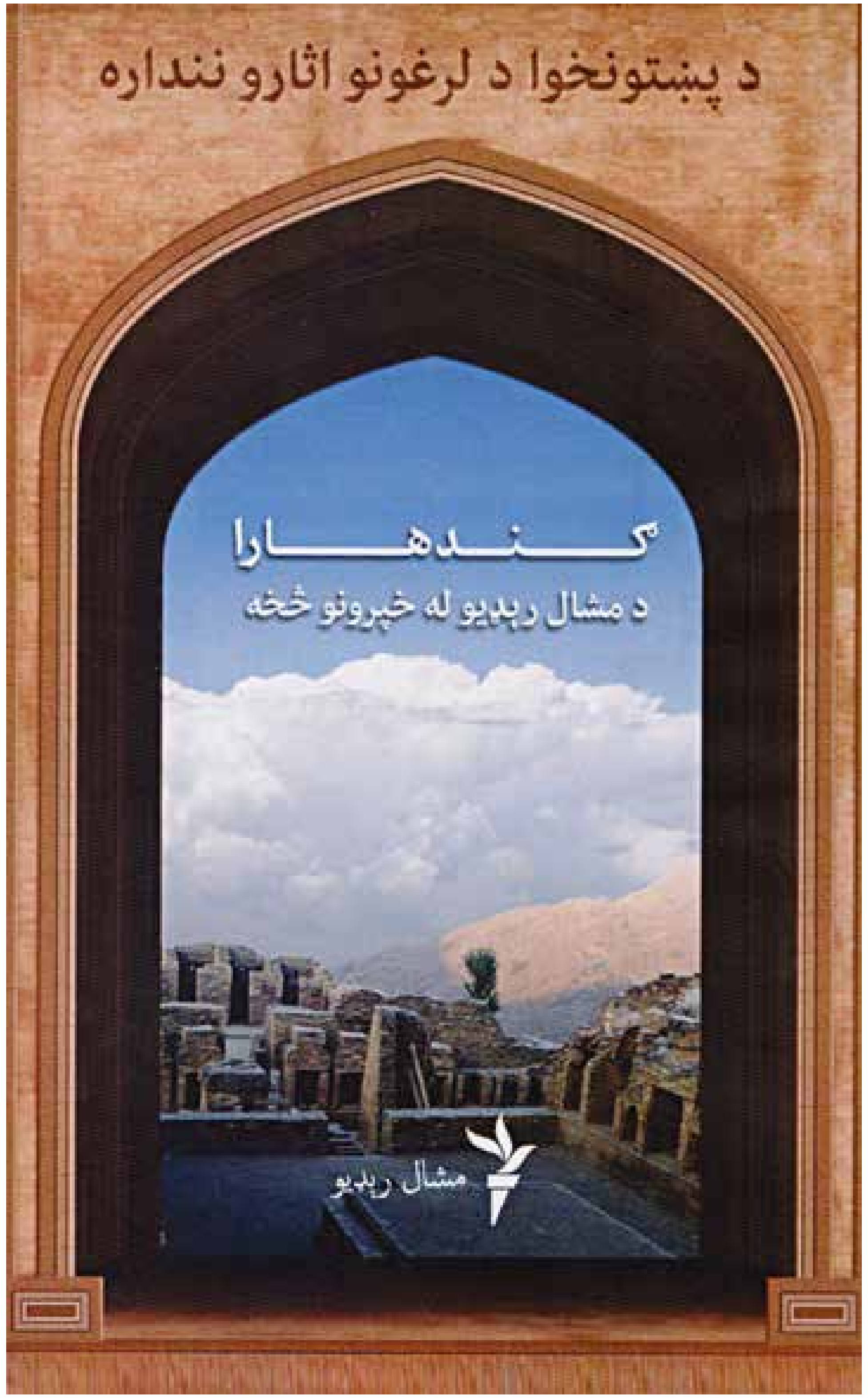

پشورتے فٹ بال

حسیب سلیمان

پشورشہر نہ صرف تین ہزار سال قدیم ہک شہر اے بلکہ از دی معاشرتی و معاشی پہلو واں تے دیگر حیثیتاں دی وجہ سی اج بھی دنیا یچ جانڑا تے پہچانڑا جاندا اے۔ پشور دی مٹی نے جتھے بوت سارے پیشہ ور پیدا کیتے وُن اُتھے ہندوستان فلمی انڈسٹری یچ گل حمید، جی جی جینٹ، پرتھوی راج فیملی، اکبر پشاوری(گلوکار) ، پروڈیوسر رائٹر ڈائریکٹر ضیاء وغیرہ جئے نامور فنکاراں تے اناں دیاں اولاداں دے ذریعے دنیا یچ اج بی آپڑا لوہا منوایا وے۔ برے ایہہ تاریخ بی سنہرے حروفاں یچ لکھی جاسی کہ پشوردی مٹی نے برصغیر پاک و ہندیچ فٹبال جئے نامور کھیڈ نوں نہ صرف مقبول کیتا بلکہ اس کھیڈ یچ عظیم سپوت پیدا کیتے ۔ جناں نے برصغیر پاک و ہند نوں دنیا دی دوئیاں فاتح قوماں نال کھلوا دتا س۔ مگر بدقسمتی نال برصغیر دی پارٹیشن سی بعد اس کھیڈ تے اس سی وابستہ کھیلاڑیاں دی طرف خطے دی کسی بی حکومت نے توجہ نہ دتی تے آستا آستا یہ کھیڈ صرف ٹی وی تے دیکھنڑے دی حد تک ہی محدود ہوگیئا۔آؤ اسی اناں عظیم کھیلاڑیاں نو یاد کردے ہوئے اناں نوں خراجِ تحسین پیش کریءں۔

جنوبی ہندوستان یچ جدو ایسٹ انڈیا کمپنی قائم ہویتے بعد یچ از دا ہیڈ کوارٹر کلکتہ یچ منتقل ہوگیئا تے اناں علاقے یاں یچ فٹبال کھیڈ بوت مقبول ہویا۔ جدو جدو برطانیہ اگے ود دا گیا یہ کھیڈ بی پھیل دا گیا۔ اس کھیل دی مقبولیت دی وجہ کم خرچ بالانشین بی ائی۔ ہک فٹبال 22یا اس سی بی زیادہ کھیلاڑی کھیڈ سک دَین۔ ننگے پَیراں کھیڈنڑا اس وقت یچ عام ایاشاذر و نادر ای کوئی بوٹ استعمال کردا آیا۔ برطانیہ راج دی مختلف فوجی یونٹس صوبہے دے مختلف علاقے یاں یچ متعین کیتی گئی آییاں۔ اناں یونٹس یچ انگلینڈ دے نامور کھیلاڑی بی ہوندے ائے تے او باقاعدگی سی آپڑی پریکٹس وغیرہ جاری رکھ دے آئے۔ تے اس وسے سب سی پہلے گراؤنڈ تیار کیتا جاندا ایا۔ اس طراں مقامی لوگ اس کھیڈول متوجہ ہوئے تے اس نوں بھرپور انداز یچ اپنایا۔

چونکہ پشور صوبے دا اس وقت دارلخلافہ نی ایا بلکہ اے صوبہ ہک کمشنری ای جیڑی کہ پنجاب یچ شامل ائی ۔ اس وسے اتھے دی فوج دی بوت ساریاں یونٹس ایاں۔ اس افواج وسے پشور صدر تے قلعہ بالا حصار دے سامنڑے ہک گراؤنڈ 'وائرلیس'' گراؤنڈ دے ناں سی مشور ایا۔ جتھے اج کل لیڈی ریڈنگ ہسپتال دے عملے وسے رہائشی ہاسٹلز بڑا دتے گئین۔از گراؤنڈ دے علاوہ صدر یچ تقریباً بیس فٹبال دے گراؤنڈز ائے ۔ اس بہتات دی وجہ نل فٹبال دے کھیلاڑی بھی پیدا ہوئیے۔

تقسیم ہند سی پہلَوپشوریچ ہک کہار سی کم از کم تن چارجوان فٹبال کھیلڈ دے ائے۔ تے اکثریت سکول تے کالجاں دے طالبعلماں دی ہوند ی ائی۔ زندگی دے دوسرے شُعبیاں نل تعلق رکھنڑے ولے بھی کھیلاڑی ہوندے ائے۔ مثلاً کوچہ گل بادشاہ جی ، جہانگیرپورہ دے رہنڑے والے نیازی فیملی دے پنج پیرافٹبال کھیڈ دے ائے۔ جناں یچ سلام امتیازی، قدوس نیازی، ہائی نیازی، نثار نیازی تے یحی نیازی وغیرہ شامل ائے ۔ محلہ مچھی ہٹہ (موجودہ مسلم مینا بازار) یچ سید خاندان دے اعجاز حسین شاہ ذوالفقار حسین شاہ، سردار حسین شاہ، نذیر حسین شاہ۔شاہ ولی قتال دے عبد القیوم چپکو، عبدالودود قمر، عبدالرؤف سیماب، عبدالحمید بزاز اور عبدالرحیم، محلہ جھنڈا بازار دے محمد حسین چینا، فضل الرحمن عرف 'پہلوان تواڑا،حافظ فضل حسین ریتی مالے یچ آغہ سید پھول بادشاہ ، سید تاج میر شاہ، سید جماعت علی شاہ، حاجی ملک حبیب اور ملک حمید ۔ِمحلہ کغلاں دے فقیر محمد عرف فقیرا لمبا، غلام محمد گاما، محمد داؤد۔ محلہ باقر شاہ دے آغہ میر احمد شاہ ''آغہ ٹی''سید ظہور شاہ۔ہشتنگری دے ملک خدا بخش بنگالہ، ملک عاشق ۔کوچہ رسالدار دے فقیر حسین بنگالی، ابرار حسین بالی، گُلی تے چھوٹا پیرا فرمان ۔ گنج دے فضل الرحمن جاپانی ، محمد ایوب ۔محلہ مروی ہا دے بابو رحمن ، اکرم صاحب ، محمد اشرف ،ظفر لودھی، صدر یچ بابو آغا جان، محمود جان تے اناں دے تیسرے پیرا بھی فٹبالر ائے۔ تے کئی ایسے گھرانیڑے ائے جناں دے تقریباً سارے افراد فٹبال کھیڈ دے ائے۔ کہنڑے دا مدعا اے وے کہ اس وخت فٹبال پشور یچ اتنا مقبول ایا کہ شہریاں دا کوئی کہار ایجیا نی ایا جس یچ دو ترے فٹبالر موجود نی ائے۔ اے سارے کھیلاڑی پاکستان بننڑے تے اس سی بعد دے وُن۔ جناں سی ساڈی پہلی نسل بخوبی واقف اے۔ برے اناں تمام کھیلاڑیاں سی پہلے دے جیڑے کھیلاڑی ائے جیڑے کہ سارے ہندوستان یچ کا کے کھیڈ دے ائے تے اُناں نے ہندوستان یچ فٹبال کھیڈ نوں منفرد مقام تک پہنچایا ایا۔

اس وخت دے سینئرکھیلاڑیاں دی کاوشاں سی این ڈبلیو ایف پی فٹبال ایسوسی ایشن وجود یچ ائی۔ جذ دا پہلا صدر 1938یچ صدر کے پی قلی خان آیا۔ کے پی قلی خان سابقہ گورنر اسلم خٹک ، مرحوم جنرل حبیب اللہ خان، مرحوم مسلم لیگی لیڈر یوسف خٹک، تے بیگم کلثوم سیف اللہ دا پیو آیا جیڑا کہ سرکاری ملازم بی ایا۔

پاکستان بننڑے سی پہلے پشور یچ فٹبال دے نامور کھلاڑیاں یچ قاضی عبدالجمیل ، فخر عالم، حبیب، طہماس خان، تے غلام نبی جنجر درخشاں ستارے ائے جناں نے اس کھیڈ نوں بوت کچھ دتا۔ از دے علاوہ سنڈے خان جیڑا کہ اسلامیہ کالج پشاور یچ سپورٹس انچارج بی ائے قاضی محمد اکرم، سردار گل، نور الہٰی ڈھکی نعلبندی ولے ، چاچا فضل حق صدر ولے، نوتھیہ دے کالا خان، ہمایوں شاہ، گلاب دین، عبدالطیف ، عبدالجبار، الہٰی بخش، عبدالغفار، احمدجان، عبدالرشید برگ، پیر نصیرالدین شاہ، غلام نبی، لیفٹیننٹ کرنل میر حیدر، چیف انجینئر واپڈا ضیاء، امیر زادہ، صاحبزادہ، عزیزاللہ، محمد آسیم، محبوب خان، نوروز خان، جمروز خان تے حکیم قطب عالم جیڑے کے ایسوسی ایشن دے سیکریٹری بی ائے۔ قاضی عبدالولی خان، اکبر جان تے طہماس خان نے فٹبال نوں پشوریچ عام کرنے وسے اہم کردار ادا کیتا ایا۔

NWFPفٹبال ایسوسی ایشن بننڑے سی پہلے پشوریچ کلباں یا کھیلاڑیاں دی رجسٹریشن دا کوئی خاص طریقہ /رواج نی ایا۔ کھیلاڑیاں تے کسی قسم دی ٹیم دی طرفوں ٹورنمنٹ کھیڈنڑے تے پابندی نی ائی۔ ہر کھیلاڑی کسی بی کلب دی طرفو سی ٹورنمنٹ کھیڈ سک دا ایا۔ یہ کلب (ز)ہندوستان دے کئی شہراں یچ جا کے ٹورنمنٹ کھیڈ دے ائے۔ جس کلب چو جیڑا پلئیر پسند ہوندا اس نوں آپڑے نال لتا تے لکھنؤ کھیڈنڑے چلے گئے یا دہلی۔ اس وسے جو کہ اس وخت دے اچھے کھیلاڑی ہوندے ائے او سارا سال فٹبال کھیڈنڑے یچ مصروف رہندے ائے۔ کدی پشور، کوہاٹ، ایبٹ آباد، تے کدی لاہور، انبالہ، جالندھر، دہلی ، لکھنؤ، جودھ پور، بمبئی، کلکتہ، ڈیرہ زون وغیرہ وغیرہ۔ اس وخت دے کھیلاڑیاں دے کھیڈنڑے دے بڑے وسیع مواقع ائے۔

پشور یچ ایسوسی ایشن دے بننڑیسی پہلے چند نامور کلب ائے جناں یچ افغان کلب ، یونین کلب، ہلالی کلب،شمع کلب وغیرہ۔پشور شہر یچ ہک اور کلب جمخانہ پشاور صدر یچ ایا۔ ۔ اُس زمانے یچ پشاور دا Red Crossٹورنمنٹس تے اسلامیہ کالج یچ روکیپل کپ بڑے مشہور ائے۔ جس یچ پشوردکی ٹیماں دے علاوہ گورے فوجیاں دی ٹیماں RAF (Royal Air Force)رسالپور، High Lander Infantry (HLI)کنگز بٹالین ٹیم تے دیگر رجمنٹس دی بھی فٹبال ٹیماں ہوندی ایاں۔ گورے یاں دی اے ترینوں ٹیماں ایاں ۔یونین کلب دا کرتا دھرتا سیٹھ شانتا رام ایا۔علاقہ ڈبگری دا رہنڑے والا اے سیٹھ بڑا مالدار تے ڈبگری یچ بہت بڑی جائیداد دا مالک ایا تے کلب تے کشادہ دلی سی خرچ کردا ایا۔ اُناں دی پریکٹس وزیر باغ دے گراؤنڈ تے ہوندی ائی۔ خود رائٹ آؤٹ کھیڈ دا ایا۔ از دے فٹبال دے شوق دی انتہاء اس وخت ہوئی جدو اُز دے دونوں ہاتھ تے دونوں ٹنگاں کٹیاں گئیاں، وئیل چیئر تے آندا ایا۔آپڑے نوکراں دی مدد سی آپڑی ٹیم دی کارکردگی دیکھ دا ایا۔

تقریباً1930سی1940تک جیڑے کھیلاڑی آپڑے آپڑے وخت یچ جوبن تے ائے ۔ اُناں یچ جنجر (غلام نبی)، بچی خان ،آغہ میر حسن شاہ،آغاچن شاہ ،علی حسین ،فضل الرحمن ،محمد یعقوب بٹ، سید گل، جی جی جینٹ،عبدالرؤف عرف روفا ڈاڈی،آغا سید میر احمد شاہ عرف آغا ٹِس، قربان علی ۔قربو،حکیم قطب عالم، عبدالرحیم عرف رحیما کشمیری، فقیر محمد ''فقیرا لمبا''، غلام محمد ''گاما'' تے اکرم صیب نے فٹبال دی ہک لازوال تاریخ رقم کیتی۔اناں تمام کھیلاڑیاں دا تعارف کرانڑا ضروری ایا۔

جس رنگ کے اُتے سانے بیان کیتا وے کے1947سی پہلے پشوریچ فٹبال گراؤنڈ اں دی بہتات آیی۔

اگُر چہ اس وخت پشور شہر بشمول صدر دی کل آبادی3لکھ سی زیادہ نی ائی خو فٹبال کھیڈدے میدان 20سی زیادہ ائے۔ یہی وجہ ائی کے اُس وخت دی نوجوان نسل دوسریاں سرگرمیاں دے نال نال فٹبال کھیڈنڑے نوں ترجیح دیندے ائے۔ اُس وخت دے بہترین فٹبالراں چو کُش ہک دے واقعات درج ذیل اُن؛

بچی خان (غلام نبی):اصلی ناں غلام نبی ایا، ڈھکی نعلبندی قصہ خوانی دے رہنڑے ولا فٹبال دا ایہہ لیجنڈ 1930دے آغاز یچ ہی طہماس خان دے زیر سایہ اُپڑا ناں پیدا کرنا شروع کیتا س۔ شروع تے افغان کلب دی طرفو کھیڈا وت عثمانیہ کلب یچ کلکتہ جانڑے تک تے اُتھو واپس آکے بی عثمانیہ کلب دی طرفو کھیڈ دا رہئیا۔ 1936تک بچی خان محمڈن سپورٹنگ دی Bٹیم دی طرفو کھیڈ دا آیا تے اگلے ہی سال Aٹیم یچ چلاگیا۔ جذ سی اُز دے فٹبال کیریئر دا ہک حقیقی تے مشکل دور شروع ہوندا وے۔ بچی خان جیڑا کہ زیادہ تر دفاعی لائن یچ کھیڈ دا رئیا تے اس دوران محمڈن سپورٹنگ کلکتہ نے ترے سال متواتر فٹبال لیگ جیتی۔ تے دو سال متواتر IFAشیلڈ کلکتہ بی جیتی۔اے ہونڑ بی ہندوستان یچ فٹبال دے بہت بڑے اعزاز اُن ۔ اس جیت یچ بچی خان دا بی برابر دا حصہ ایا۔ اے اعزاز کلکتہ یچ پہلے کسی ہندوستانی کلب نے حاصل نی کیتا یا۔ ہمیشہ گورے یاں نے ہی اے ٹورنمنٹس تے لیگ جیتے ائے۔ بچی خان کلکتہ یچ "جارج" دے ناں سے جانڑا جاندا ایا۔ نیپال دے بادشاہ میجر جنرل رانا سمیر جنگ بہادر، بچی خان نوں آپڑے نال کھٹمنڈو لے گیا تاکہ شاہی خاندان دے بچے یاں نوں فٹبال دی کوچنگ دتی جاوے۔ بچی خان ترے مہینے یاں تک نیپال یچ رئیا تے 15000روپے معاوضہ لتاس۔ جیڑا کہ اج کل پندرہ لکھ روپے بنڑ دین۔ اے واقیا ہی ہک اعزاز اے پشوریاں وسے۔

جنجر (غلام نبی):نوتھیہ پشور دا ررہنڑے والا اے فٹبال دا بلند پایا کھلاڑی پیشے دے لحاظ سی کوچوان ایا۔ مضبوط سُرخ و سفید جسم ولا غلام نبی نوں جنجر دا لقب اس وخت دے گوریاں نے دتاایا ،جناں نال اوپریکٹس تے ٹورنمنٹ دے میچ کھیڈ دا ایا۔ اُز دی خصوصیت دی وجہ سی کہ او ہک ہجیا چست تے پھرتیلا کھیلاڑی ایا جنوں وارم اپ ہونڑے دی ضرورت ہی نی ہوندی ائی۔ ہک بہترین شوٹر جذدی ہر بال مخالف دے پلینٹی ایریا یچ ٹھندی ائی۔ اس وقت دے قانون دے مطابق گول کیپر تے چڑہائی کرنا جائز ایا) اس تے کوئی رکاوٹ نی ائی۔ اس وسے اس وخت گول کیپنگ صرف مشکل ای نا ں بلکہ بڑی خطرناک بی ہوندی ائی۔ جنجر پشور دے علاوہ ہندوستان دے بوت سے شہراں چو مختلف ٹورنمناں یچ کھیڈ چکا آیا۔ تے ہر جگہ بہترین کھیڈدا مظاہرہ کیتا س۔ جنجر صیب پشور کلبز (افغان، جمخانہ ، ہلال وغیرہ) دے نال ہندوستان دے کئی شہراں مثلاً اجمیر شریف، دہلی،لکھنؤ، بمبئی، کلکتہ، کانپور، جے پور، انبالہ وغیرہ وغیرہ یچ بی کئی ٹونمنٹس کھیڈا۔

آغہ میر حسن شاہ(گول کیپر):آغہ میر حسن شاہ صاحب محلہ خداداد قصہ خوانی پشوریچ پیدا ہوئے۔ ابتدائی عمر سی ہی پولیس سروس یچ شمولیت اختیار کیتی ۔ ہک بلند قامت تے مضبوط جسم ولا فٹبال دا گول کیپر پھرتیلے پن تے خوبصورت سٹائل دی وجہ نل بوت جلد فٹبال دی دنیا یچ مقبول ہویا۔ پشور دے بہترین گول کیپراں چو آیا۔ ۔ جناں نے آپڑی کلب دے علاوہ دیگر کلباں دی طرفو بی ہندوستان دے تقریباً تمام وڈے وڈے آل انڈیا ٹورنمنٹس کھیڈے تے خُب نام پیدا کیتاس1997یچ رحلت فرما گئے وُن۔

فضل الرحمن:فضل الرحمن عرف تواڑہ جھنڈا بازار کریم پورہ پشور دے رہنڑے ولے ہک مضبوط پہلوانی جسم دے مالک تے چابک دست گول کیپر ائے۔ ہندکو زبان یچ تواڑاہ اُس مضبوط کپڑے نوں کیندین جیڑا تُھپ تے بارُش نوں روک دا وے۔ جد فضل الرحمن گول یچ کھلوندا آیا تے گول یچ کوئی شئے نی وڑ سک دی ائی۔ اس وسے لوگاں نے اُز دا ناں تواڑہ رکھ دتا ایا۔1946 سی باقاعدگی نل آپڑی ٹورنگ لائف دا آغازکیتاس۔ فضل الرحمن نے آپڑے کھیڈ دا آغاز سیف السرحد فٹبال کلب پشور سے کیتا۔ اے 1940دے آغاز یچ پڑھے لکھے نوجواناں تے مشتمل ٹیم ائی۔ جناں یچ بوت سارے نامور کھیلاڑی بنڑے۔ اُناں یچ فضل الرحمن گول کیپر بی ایا۔ سیف السرحد بکھری تے فضل الرحمن نوں ہلال کلب ولے لے گئے۔ ہلال کلب پشور دے نال پہلا ٹورنمنٹ وکٹری کپ انبالہ یچ 1944کھیڈا گیا۔ 1945یچ ینگ مین پشور دے نال دہلی یچ اتاترک کھیڈا ستے فائنل یچ کرسچن کلب کولو جیتاس۔ 1946یچ ینگ مین کلب پشور دے نال مادھورا ساؤتھ انڈیا گیا تے فائنل یچ حیدرآباد (دکن) پولیس سی ہارے۔ 1946ہی یچ محمڈن سپورٹنگ کلب کلکتہ دی طرفو سی کھیڈے تے اسی سال یچ Europeans v/s Indian میچ وچ بیسٹ پرائز حاصل کیتاس۔ پنجاب دی طرفو سی 1948یچ کراچی نیشنل چمپیئن شپ یچ حصہ لتاس ۔ اُس وخت باٹا دی ٹیم یچ کھیڈ دے ائے۔ Roversکپ بمبئی انڈیا 1948یچ ریڈرز کلب لاہور دی طرفوکھیڈے۔ 1951سی1954تک محمڈن سپورٹنگ کلب دی طرفو کلکتہ بھارت یچ کھیڈ دے رہے۔

آغاچن شاہ:آغاچن شاہ فرشی گلی (گھاس منڈی) یکہ توت دے رہنڑے ولے ایک لیجنڈ گول کیپر ائے۔ اُناں دا دور بیسویں صدی دے تیسرے تے چوتھے عشرے (1920-40) تک ایا۔ اے اوہ وہ دور ایا جدو گول کیپرتے رش کرنا تے اگر اس نے بال پکڑا ایا وے تو اُس چپنڑا فاؤل نی ایا۔ اس وسے گول کیپر کوشش کردا ایا کہ او بال نوں پنچ کردوے نا کہ گرپ کرے ۔ جد بال گول ایریا یچ ڈراپ ہوندا پیا ہوندا تے گول کیپر دوڑپیندے ائے۔ اناں نے ہک بوت ہی مشکل وخت یچ گول کیپنگ کیتی تے وڈے وڈے ٹورنمنٹس کھیڈے۔ وفات نوں 35سال سی زیادہ عرصہ گزر چکا وے۔

محمد یعقوب بٹ:محلہ قاضی خیلاں دے رہنڑے ولے ینگ مین کلب پشور سی کھیڈدا آغاز کیتا نے ۔ آپڑی تے دوسری ٹیماں دے نال ہندوستان دے بوت سارے ٹورنمنٹس کھیڈے نے۔وت باٹا سروس یچ شمولیت اختیار کرنے دے بعد باٹا فٹبال ٹیم دی طرفو کافی عرصہ کھیڈ دے رہے۔ باٹا ٹیم سی فراغت حاصل کرنے دے بعد پشور واپس آئے تے آپڑی سابقہ ینگ مین کلب دی طرفوکھیڈے۔عرصہ ہویا وفات پاچکے وُن۔

سید گل:اگرچہ فیزیکل ہک کمزور ٹنگ دی وجہ سی فٹبال کھیڈ وسے موزوں نی آیا برے آپڑی دیگر کئی صلاحیتاں دی وجہ نل او گول کیپنگ بوت اچھے طریقے سی کردے رئے۔ تے اچھی اچھی ٹیماں دا حصہ رہیے۔ انتہائی عقل مند انسان ائے تے گول کورنگ بی پرفیکٹ ائی۔ اُز دا ہک انگلی دا پنچ کدی بی خطا نی ہویا۔ ہندوستان دے بوت سارے شہراں یچ کھیڈا۔

جی جی جینٹ:عثمانیہ کلب دا ممبر پشور تے اُس سی بار بوت میچ کھیڈے۔ باٹا سروس جائن کیتی تے باٹا ٹیم دی طرفو کھیڈے۔ انڈیا یچ یعقوب بٹ تے جی جی جینٹ بہ یک وقت کھیڈ دے ائے۔

فقیر محمد "فقیرا لمبا":پشور دی تاریخ دے چند استاد کھلاڑیاں چو اُناں دا شمار ہوندا وے۔ محلہ قاضی خیلاں دا رہنڑے ولا دراز قد فقیر محمد ہک نہایت سمجھدار کھیلاڑی ایا۔ سنٹر ہاف دی پوزیشن تے کھیڈ دا آیا۔ ینگ مین کلب دا ممبر تے باد یچ باٹا لاہور چلا گیا۔ باٹا ٹیم یچ بھی کھیڈ دا رئیا ینگ مین پشور تے باٹا کلب دے ہندوستان دے بیشتر وڈے وڈے ٹورنمنٹاں یچ حصہ لتاس۔جس یچ انبالہ، لکھنؤ، دہلی، جے پور وغیرہ شامل اُن۔ باٹا سی ریٹائرمنٹ دے بعد پشور واپس آیا تے کوہاٹ روڈ دی ہک انڈسٹری یچ دوبارہ ملازمت اختیار کرلتیس۔

غلام محمد "گاما":فقیر محمد دا نکڑا پئرا برے کھیڈ یچ اُس سی بوت اگے نکل گیا ایا۔ مضبوط جسم تے دراز قد دا جوان سخت جان انسان ایا ۔ سنٹر ہاف دے علاوہ ہؤر بی پوزیشناں تے کھیڈ دا ایا۔ "ڈھونگا" مارنا اُز دا شوق ایا۔ تے جس نوں "ڈھونگا"غلام محمد دا، لگ جاندا تے او ہک دفا گراؤنڈ سی بار جا کے آرام ضرور کردا۔ ینگ مین پشور دا ممبر ایابعد یچ باٹا لاہور چلاگیاتے اُتھے خُب کھیڈا۔پنجاب الیون دی طرفو سی بی انڈیا یچ بہت سارے ٹورنمنٹ کھیڈیس ۔ ریڈرز کلب لاہور دے نال 1950یچ بمبئی بی گیا ایا۔ ہک سیزن محمڈن سپورٹنگ کلب کلکتہ یچ بی کھیڈا۔

اکرم صاحب:ایک بہت سمجھدار فل بیک ائے۔ مالا مروی ہا (موری مالا) دے رہنڑے ولے ائے ۔ ترینوں پئرا فٹبالر ائے۔ اُناں نے اس کھیڈ نوں صحیح طور اپنایا تے کھیڈ دے رہئے ۔ آخری دور یعنی 1947یچ ہیروز کلب دی طرفوکھیڈے ۔پشور دی مختلف ٹیماں نال ہندوستان دے وڈے وڈے ٹورنمنٹس کھیڈے جیڑا کے ڈیرہ زون، اجمیر ، دہلی، لکنھؤ ، انبالہ وغیرہ یچ ہوندے ائے۔

عبدالرؤف عرف روفا ڈاڈی :گنج پشور شہردکا رہنڑے ولا ششمیر کلب (بعد یچ ینگ مین کلب بنڑی) دا ممبرایا۔ اچھا کھیلاڑی ہونڑے دے علاوہ وڈے چرچے والا کھیلاڑی ایا۔ بعد یچ اس نے بی باٹا دی سروس حاصل کرلتی ائی۔

آغا سید میر احمد شاہ عرف آغا ٹِس :محلہ باقر شاہ دا رہنڑے ولا ہک خوبصورت سٹائلش گولی ایا۔ عثمانیہ کلب دا ممبرایا۔ ہلال کلب د ے نال ہندوستان دے چند ٹورنمنٹ کھیڈے س۔ کاروباری مصروفیات دی وجہ سی جلد ہی فٹبال کھیڈ نوں ترک کردتاس دریا ئے کابل یچ کشتی یچ سوار شکار کھیڈ دے ہوئے کشتی پلٹ جانڑے سی وفات پائی۔

حکیم قطب عالم:اگر اناں نوں فٹبال دے کسی موضوع یچ شامل نہ کیتا جاوے تا او مضمون نامکمل ہوسی۔ ہک کھلاڑی تے ائے ہی برے بحیثیت پہلے سیکرٹری NWFPفٹبال ایسوسی ایشن فٹبال وسے

اُناں دی بوت ساری خدمات اُن۔ کھیڈدے دوران او ہک دفعا آپڑی ٹنگ تڑوا بیٹھے جس سی بعد کھیڈنڑا چھوڑ دتا نے۔ تے ایسوسی ایشن نوں سنبھال کے فٹبال نوں آرگنائز کیتا۔ جدو کنگھم پارک یچ فٹبال گراؤنڈ دی مارکنگ ہوندی پئی ائی تا حکیم صیب گرمی دی دوپہر یچ سرجارج کنگھم، گورنر سرحد دے نال پہلے گراؤنڈ دی حداری کردے پئے ائے۔ اُناں دی خدمات فٹبال وسے ناقابل فراموش وُن۔

عبدالرحیم عرف رحیما کشمیری:محلہ خداداد دا رہنڑے ولا تے عثمانیہ کلب دا مستقل ممبر ایا۔ بعد یچ باٹا سروس جائن کرلیتی ائی نے ۔ سنٹر فارورڈ دی پوزیشن دا بہترین کھیلاڑی ایا۔ ننگے پیر کھیڈ ولا، ونگز سی اُٹھائے ہوئے بال نوں ہیڈ کردے ہوئے ضرور گول بنڑاندا ایا۔ ہندوستان جا کے بوت سارے ٹورنمنٹس کھیڈے تے داد حاصل کیتی نے۔ ایک سیزن محمڈن سپورٹنگ کلب کلکتہ یچ بی کھیڈا ۔

آج پشور دی 25-20لاکھ آبادی وسے پشور یچ صرف ہک گراؤنڈ طہماس خان سٹیڈیم تے صدر یچ ہک قیوم سٹیڈیم اے۔ وقت دے نال نال اناں فٹبال گراؤنڈز دا خاتمہ تے فٹبال کھیڈ یچ سیاسی مداخلت دی وجہ نل پشور یچ فٹبال کھیڈ تنزلی دا باعث بنڑا ۔تے بدقسمتی نال بادیچ آنڑے والیاں نے اِناں دی کوئی قدر نہ جانڑی تے اج فٹبال تقریباً ختم کے پشور یچ مر ہی گیا وے۔

کاوا خانہ

صائمہ حسیب

ہر علاقے دی آپڑی روایات ہوندیاں نیں۔ جیڑی کے ادھر دے رہنڑے والیاں دی روزمرہ زندگی دا عکاس ہوندیاں وُں۔ سانوں اس گل تے فخر اے کے خیبر پختونخواہ دی روایات چ صحت مندانہ رنگ نمایاں وے۔ اگرمشروبات دے حوالے سی دیکھا جاوے تا جیڑی شے دی سب سی زیادہ مانگ وے او کا وا وے۔کاوے نوں اُردو تے پشتو چ قہوہ کیندین۔ اینج تے کاوے دی اصل تاریخی حقیقت بتانڑا تھوڑا مشکل اے کیونکہ اس نو چائنا تے مصر دونوں دینال ملایا جاندا وے۔ خو اسی تواوں ازے بارے چ بتاسیئیں۔

چائنا چ جدو انقلاب آیا تے ادھے دے معاشی حالات بہت خراب ہوئے حکومت نے اعلان کردتا آیا کے ملک دے سارے لوگ رناں تے مرد روزانہ کم کرسن۔ صرف بیماراں تے مازوراں نوں رعایت ائی۔ جس دنے لوگ سارا دن آپڑے ملک دی ترقی تے قوم دی فلاح و بہبود وسے کم کردے ائے۔ خوراک دیکمی دے پیشِ نظر او صرف اک وخت دا کھانڑا کھاندے ائے۔ باقی سارا وخت نیم گرم پانڑی پی کے پیٹ پڑ دے ائے۔ رفتہ رفتہ اے نیم گرم پانڑی چ تھوڑی جئی چینی ملا کے پینڑے لگے۔ تے ایہی چینی پانڑی بعد چ کاوے دی شکل اختیار کرگیا ایا۔ تے اس قہوے نے ملکی سطح تے پسندیدہ مشروب دی شکل اختیار کر لتی س۔

اسی طراں دوئی طرف کیندین کے مصر چ ہک بوٹی جز دا ناں گاوا ایا۔ اس بوٹی دی بہت اہمیت ائی۔ شاہی مہمان خانے چ اس بوٹی نوں اُبال کے مشروب دے طور تے مہماناں نو پیش کیتا جاندا ایا۔ اُناں دا کاوا پیش کرنے دا انداز بوت نرالا ایا۔ اس وسے اُنی ہک قدِ آدم جتنی چینک استعمال کردے ائے۔ جس چ کاوا ہوندا ایا۔ چھوٹی چھوٹی پیالیاں چے کاوا پا کے مہماناں نوں پیش کیتا جاندا ایا۔

پشور چ چونکہ شروی سی پیشہ وار لوگا ں دی آماجگاہ وے۔ خیبر نے ہمیشہ ہک رستے دا کردار ادا کیتا وے۔ افواج دے نال عام لوگ،، سوداگر تے سیاح بی اسی رستے تو لنگ کے اگے ہندوستان ول جاندے ائے۔ پشور بی تجارتی مرکز ہونڑے دی وجہ تو اناں لوگا وسے اہمیت رکھدا ایا۔ آستا آستا ادہر اُدہر سی آئے لوکاں نے اتھے مکمل رہائش اختیار کیتی ۔ اے لوگ آپڑے نال بوت کُش لیائے ائے۔ جز چ اُناں دے علاقے یاں دی اہم تے ضروری روایتی شے واں بی ایاں۔ کُش اسیطراں دی تاریخ کاوے دی بی مل دی اے۔ کہ پشور چ کاوے دا رواج کس طرح عام ہویا ۔ تے رفتہ رفتہ اے ہر کہار دے باورچی خانے دی زینت بنڑ دا گیا۔ ہندکووان لوگاں دے کثار دی کوئی بی محفل اس دے بغیر مکمل نی ہوندی۔ اگر کسی بی ہندکووان کثارانے دے باورچی خانے دیکھو تا ہک چاجوش ہر وخت چُلے تے پیا نظر آسی۔ جز چ پانڑی جوش دا ریندا وے۔ تاکے وخت بے وخت چیتی نال کاوا تیار کیتا جاسکے۔ اس دا زائقہ بی لاجواب ہوندا وے۔ تے اے فرحت تے تازگی بی بخش دا وے۔ سب سی وڈی گل اے وے کے اس دے کوئی بُرے اثرات نی ہوندے۔ دودھ دے علاوہ ہر مشروب دے کُش نہ کُش منفی اثرات یعنی سائیڈ ایفیکٹ ہوندے وُں۔ برے کاوا واحد مشروب ہے جیڑا کے صحت مند ہونڑے دے نال اس دے ذریعے مٹاپے تے کنٹرول کیتا جاسکدا وے۔ گردے یاں دے مریض بی استعمال کرُن تے اُناں نوں بی فیدہ ہوندا وے۔ اے ہک اینٹی بیاٹک ہونداوے۔ اس چ سبز لاچی دا استعمال ہوندا وے ۔ جیڑی خُشبو تے ٹھنڈک دینڑے دے نال نال صحت وسے بی اچھی وے۔

سڈے کثاراں چ کاوا بڑے شوق دے نال پیتا جاندا وے۔ کم قیمت ہونڑے دی وجہ نل بی اس دی مقبولیت بوت زیادہ وے۔ حتیٰ کے دکاندار کول سودا لینڑے جاؤ تا او بی ہک پیالی کاوا پلانڑے دا ضرور پُچھ سی کیونکہ اے ہک تا ہے سستا تے نال باآسانی ہر جاگ تے دستیاب بی اے۔ اس دی وڈی وجہ شہر چ جاگ جاگ تے کاوے خانے وُن جناں نے مسافراں،تاجراں تے دکانداراں وسے آسانی کیتی ائی اے۔ عام طور تے دیکھا گیا وے کے کاوے خانے چ سماوار چ پانڑ ی جوش دا ریندا وے۔ نکی نکی چینکاں تے کاوے دی پتی تے لاچی پا کے گرم پانڑی پاکے دم دتا جاندا وے اس طراں نہایت ہی لذیذ تے خوشبودار کاوا تیار ہوندا وے۔

ایہہ پشور دی ثقافت اے کے ہر روز زیادہ تر دوست احباب آپڑے کماں سی واندے ہو کے شام نوں گپ شپ لانڑے وسے کاوے خانے چ اکٹھے ہوندین۔ سارے دن دی تھکنڑ کاوے دی پیالی پی کے اُتار دیندین تے نال نال آپڑی دل دا حال بی ہک دوسرے نوں سُنڑاندے وُن۔شاعر حضرات بی

کاوے خانے دا رُخ کردے وُن، جِدُر او آپڑے ساتھی شاعراں نوں آپڑا تازہ کلام پڑھ کے سنڑاندین۔ اکچر دیکھا گیا وے کے اسی طراں دی محفلاں ہک نجی مشاعرے دا روپ تہار لیندیاں وُں۔ تنقید تے اصلاح دا اے سلسلہ صدیاں سی جاری ہے ۔ ادیب حضرات آپڑی تسانیف تے تبصرا کردے وُن۔ نوے آنڑے والیاں وسے اے کاوا خانہ ہک تربیت گا ہ دی حیثیت رکھ دا وے۔ تے اِدُر بوت کُش سکھنڑے نوں مل دا وے۔

اکثر جرگے دے اہم فیصلے بی کاوے دے بغیر نی ہوندے۔ کیونکہ جتھے بی جرگا ہووے کاوے دا دور ضرور چل سی۔ دو فریقاں چ صلح صفائی کرنی ہووے تا ں بی کاوے خانے چ ملاقات دا اہتمام کیتا جاندا وے ۔جس چ فیصلے دے باد منہ مٹھا کرنے وسے بی کاوے دا استعمال ہوندا وے۔

مختصر اے وے کے اس وخت پشوری زندگی چ کاوے نے بوت زیادہ اہمیت اختیار کت لتی وے۔اس دے بغیر سانوں آپڑی شاماں ادھوریاں تے محفلاں بے مزہ لگ دیان۔ اسی وجہ تے اے ایجیا مشروب بنڑ کیا وے جس نوں اسی ہر موسم ، ہر وخت تے ہر کثار چ ضرور ورتا نے یاں۔

QARI CHAPPAL MAKER

"I learnt this skill at the age of 8 years. In our neighborhood, there was a cobbler and I was attracted to his work. So I became his shagard for Rs.10-20 per week. As I learnt the skill and became master then I was receiving wages of Rs. 70 per day" says Muhammad Rehman, who is now doing this work for last 20 years. Located in Namak Mandi, near Jehangir Pura Peshawar, Muhammad Rehman claims to be pioneer of "Gol Shape Upper Touch" a variety of Peshawari Chappal. "This variety is preferred by youngsters and teenagers and is the trend now a days" he said.

Go to Content Page

OUR LITERATURE AND CONTEMPRORY REQUIRMENTS

(The role of Literature in the social development)

Languages and Literature Unit of Culture Directorate KP arranged a literary session titled "Our Literature and Contemproray Requirments" on 6th August 2016 at Sethi House Peshawar. Noted poets, writers, intellectuals and researchers have pledged to promote a culture of dialogue and tolerance through their writings to achieve the goal of permanent peace in the region.

They writers gathered at a lively discussion to ponder over ways and means to face the challenges of new technology in the rapidly changing geo-political global village.

They highlighted various issues and requirements of the contemporary world with regard to emerging literary trends. The provincial culture directorate conducted the debate titled 'Our literature and contemporary requirements's.

Opening the debate, Naeem Safi, project director at culture directorate, said that the basic theme of the discussion was to highlight the role of literature in social development. He said literati of the entire province would be invited to share their views for promotion and preservation of local arts, social values and literary traditions. Languages and Literature Apecialist Akbar Hoti have conducted the whole proceeding of the said session and also explain the current working units of Strenthening of Directorate of Culture. The Prominent writers Noor Ul Amin Yousafzai, Dr Prof Zubair Hasrat, Qari Javid Iqbal, Aziz Ejaz, Prof Dr Izhar Ullah Izhar, Dr Salah Udin, Prof Awais Qarni, Dr Noor Ul Basar Aman, Dr Muhib Wazir, Shams Momand, Dost Muhammad Dilsoz, Miss Sana Ejaz, Sher Alam and other writer contribute in debate and delivered their fruitful views about the said title.

The speakers said Pakhtuns suddenly became part of global village without passing through different stages of evolution. "The change in their life is, therefore, painful and uncalled for. Terrorism, extremism, poverty and intolerance and economic backwardness are some of the obstacles in the way of social development of our society," they added.

Akbar Khan Hoti, specialist at the culture directorate, said that provincial government launched five new units including languages and literature, new media, crafts designs, visual arts, creative economy, research documentation and web developing to meet world challenges for effective exposure. He said that such open air debates would be conducted in all districts to evolve a consensus for promotion and preservation of arts, culture and literature.

Qari Javed Iqbal, a writer, said on the occasion that literature played a significant role in shaping the ideas of people. He said that it was foremost moral responsibility of poets and writers to give a due place to public issues in their writings.

Sana Ejaz, a rights activist and the lone woman participant of the event, questioned as to why Pakhtun literati only praised women's lips and hair locks instead of appreciating their bravery and their role in the society.

"It is also an important requirement of the present time to encourage and endorse women's role in the uplift of Pakhtun society. Though, Pakhtun women, from Malalai of Maiwand in the British-era to Malala Yousafzai of our militancy-plagued era, have rendered numerous sacrifices," she said.

Hindko writer Dr Salahuddin said that Hindko literati had also contributed to highlighting of contemporary issues like others. He said that culture department should revive literary events and publication of literary magazines at the educational institutions in the province.

Urdu poet Aziz Ejaz said that writers should advocate humanism and tolerance in their pieces. He said that peace was the biggest requirement of the contemporary time.

Fiction writer Noorul Amin Yousafzai said that Pakhtun literati had always played their due role in every era and fulfilled their responsibilities. He said that from legendary Khushal Khan Khattak, Rahman Baba to a host of modern poets and writers well in accordance with requirements of contemporary time had suffered many hardships while raising voice of Pakhtuns.

Prof Mohib Wazir, Prof Izharullah Izhar, Prof Zubair Hasrat, Dr Owais Qarni, Noorul Basar Amn, Shabir Jan, Yousaf Ali Dilsoz, Malik Wazir Khan, Ihtisham Toru and Shams Moomand also spoke on the occasion.

CREATIVE ECONOMY AND ITS CHALLENGES IN KP

By: Abdul Latif

UNESCO and the General Agreement on Tariffs and Trade (GATT), define cultural industries (sometimes also known as "creative industries") combine the creation, production, and distribution of goods and services that are cultural in nature and usually protected by intellectual property rights. Creative Sector (industries) has been identified as one of the major contributor towards economic development of a country. Unfortunately this sector, in KP, is not tapped to its potential to witness the merits of a robust creative sector.

Khyber Pukhtunkhwa has a very rich heritage of cultural industries ranging from crafts, architecture, and cuisine to potential of cultural museums and art galleries. Charsada Chappals, DI Khan sohan halwa, Salam Pur Shawls, Swat woodworks, charsadda khamta/khaddar, Peshawar pottery are all unique cultural industries products of KP that have the potential to compete with conventional industrial products.

However Cultural industries in KP are facing challenges and is slowly losing its ground. There are many factors causing this including but not limited to branding, lack of market accessibility, lack of strategic links, quality material, lack of education etc.

Challenges of Cultural Industries:

- Most of KP cultural industries are not documented. Hence it is difficult to identify exact worth, volume, and contribution of this sector towards main stream economy.
- Prices of raw materials increased, hence prices of finished goods also went up. For example increased prices of copper made it difficult for copper work to be sold in the market.
- Cultural industries sector is facing tough competition from plastic and steel products, which are domestically manufactured or imported. These alternatives are durable, cheap and easily available, however it lacks the cultural & traditional background and have negative impact on environment.
- Because of low business volume and low income margins, culture industries have very weak outlook. Hence those involved in this sector, avoid transferring it to their family.
- Product from cultural industries have very low accessibility to market. Many of the products are, once completed, displayed in the same village/ city where these were manufactured. Lack of resources, required for transport, and low prices in the market make it unattractive to access further markets.
- The exploitation of Artisan in this sector is high. Artisan works with wholesalers and retailers on daily wages or a very low salary. Even if an artisan work for themselves still, all the resources are normally provided by middleman while artisan work on contract or volume basis.
- Because of the sector's un-documentation and very small individual setups, this sector is not registered with any of the organization e.g. Tax Department or Chamber of Commerce. Hence these setups normally does not get advantage of govt. initiatives or incentives.
- There are no dedicated training centers for providing training in the sector of cultural industries. Mostly people learn it through informal relationship with "Ustads" in the shops or homes.
- There are no established brands in cultural industries. Because of this many of KP cultural industries are copied in other provinces and further exported. For example Charsada Chappal are now also produced in other parts of the country, from where it is exported.
- Cultural industries sector has not been transformed with current flow of Information Technology. Information Technology can offer variety of means to create awareness as well as generate revenue from cultural industries. Unfortunately lack of education and unawareness from the potential of IT, make it difficult for associates of cultural industries to utilize its platforms.

The revival of these cultural industries, objectives like Identity, Social Capitalization and Economic Development can be achieved. Innovation in this field is required to bring our cultural industries in line with contemporary consumer market without compromising the authenticity of materials, work and final product.

In the following edition, options and steps will be presented and evaluated required for the revival of this important sector.

SOCIO-ECONOMIC CAUSES BEHIND DEVALUATION OF PASHTUN VALUES

By: Nasira Khan Yousafzai

Pashtuns values are collectively called Pashtunwali, an unwritten constitution and a complete code of life for the Pashtuns. For the Pashtuns the word 'Pashto' does not refer to an ethnic group only, it is a way of life for them, which includes bravery, truthfulness, hospitality, generosity, keeping of the promises, straightforwardness, moral courage in claiming one's rights, patronage of the weak, providing shelter to all including enemies, protecting the personal as well as the national honor even at the cost of their lives, sacrificing the lives for religion, and many other worthy traditions and desirable attitudes.

Disintegration of Pashtun values is a common issue now a days, as Pashtun society is patriarchal and traditional in its form and structure. Values and traditions are the core practices of the social structure and the web of social relations is the outcome of such practices. As the world is facing the maniacs of globalization, modern values are infused in the social and cultural aspects of society providing new and unacceptable pattern to the value system in the area.

The present article aims to analyze and investigate the socioeconomic causes of moral degradation and devaluation of cultural values in Pashtun society. Values are cultural product and every culture provides a process and a method of getting values. The society in which Pashtuns are living is Pashtun society and the values of this society is called values of Pashtun, which included ghairat, nang, qalang(It is a Pashtun tradition to stand firm on any issue, with an individual or a friend, or on any decision),melmastia(hospitality), Jirga(a decision making assembly of male elders),swara(Swara is compensation for ending the hostility by means of marrying a girl of the accused family to the bereaved family),nanawati(seeking asylum and protection of life orforgiving the enemy when they offer themselves to the enemy and ask for mercy), Ashar(shared cooperative work), masher kashar(respect and honor for elders and youngsters), Dushmani/Dosti(enemy or friendship), and Badal(revenge) etc. Now these values are devaluating and the Pashtuns are adopting the values of other cultures. There are various causes which include social, economic, as well as political. The impacts of such devaluation are loss of social control, loss of cultural identity, vanishing of the concept of solidarity and the feelings of being 'us', creation of uncertain situation and disturbance in social structure.

The cultural values are the identity of Pashtuns, which are disintegrating day by day and there are many socioeconomic causes behind such disintegration. This article reveals that the media is highly responsible for the disintegration of cultural values. The advancement in technology for example, computer, television, radio, and internet are the major source which causes degradation of cultural values in Pashtuns society. Further, there are different programs broadcasting on the TV screen and cable which deviate people from their cultural values and become hurdle in moral values up gradation. Because of computer the folk games of Pashtuns have been non-existent, children are mostly busy in video games. Our youngsters mostly keep busy with internet on different sites and avoid their hujra in which they were spending their spare time and kept interacting with one another. Different changing strategies can be expected to have differing yields, so it is important to recognize that overall change may be due to the aggregating of specific change initiatives. There are naturally more change strategies than these, but these are included as illustrations that devaluation of cultural values is not impregnable and can be influenced constructively (Kendrick and Hartnett 2005). The inherent danger of the culture industry is the cultivation of false psychological needs that can only be met and satisfied by the products of capitalism; thus Adorno and Horkheimer especially perceived mass-produced culture as dangerous to the more technical and intellectually difficult high arts (Elliot 2009).

This article summarizes that education and wealth both are responsible factors for disintegration of cultural values.For example, most of the wealthy people do not care about their culture values. People are too much busy in earning their livelihood and having no time for their values. Education is also one of the causes of devaluating cultural values, for example the education policies are not according to our cultural and moral values. There is nothing in text books about cultural values which promote the cultural values of Pashtuns. Jirga system is one of the values of the Pashtun that is working as a law and the court system where the selected leader makes decisions for the community and everyone has the obligation to follow.

Formalization, modernization, globalization, political environment, and governmental policies are also responsible factors for disintegration of cultural values for example, most of the people forgotten the concept of simplicity, hospitality, and hujra just because of the above causes. In political set up, Jirga system is replaced with courts and the policies which made by government are not according to the Pashtuns cultural set up.

West has impact not only on Pashtun, but whole Eastern people. The customary idea of home-cooked nourishment in our way of life is being supplanted by fast food dinners from prestigious eateries like KFC, Pizza Hut and McDonalds. The Pakistani dishes which were celebrated for their taste, barely appear to discover acknowledgment amongst the young. Starting today, we see cool beverages being utilized to such a degree, to the point that they are a piece of each supper, even in formal meals. By a long shot, the best effect that the westernization has had on our way of life, is in the dialect. Our first language, Pashto or Urdu is being supplanted by English as the most well-known dialect utilized as a part of the discussions. The reason, being an expanded number of English medium schools in our general public and the intemperate messaging and informing amongst the adolescent.

References

Elliot, Anthony 2009 Contemporary Social Theories an Introduction. Rutledge. Kendrick, Micheal J. and Frances Hartnett 2005 Choosing Values: The Consequences for People's Lives. Thompson/Dunmore Press, Australia.

SEMINAR IN IM SCIENCES

Abdul Latif

On 7th October, 2016, Creative Economy & Cultural Industries arranged a seminar on the agenda of "Awareness about Cultural Industries". The audience, students and faculty members, attended the seminar. Seminar started at 10:30am in lecture theater hall of IM Sciences with recitation of holy Quran.

Welcome Speech:

Ms. Shabana, welcomed team SDC on behalf of IM Sciences. In her welcome speech she expressed the importance of links between govt. and Higher Education Institutions. She said that up till now Govt. is working in a separate sphere and education institutions are working in separate spheres and elaborated that there is need to bring these spheres together. Higher Education can play a vital role and can provide quality research for the Govt. policy makings.

Introduction:

Saleem Ullah Jan, Creative Economy & Cultural Industries Specialist, introduced SDC Project along with units that are operational in SDC. Strengthening of the Directorate of Culture has 6 units namely Research & Documentation Unit, New Media Unit, Design Craft & Visual Art Unit, Creative Economy & Cultural Industries Unit, Languages & Literature Unit, and Web Developer Unit. Saleem Ullah Jan Explained domain of Culture Industries and functions of all these units. He also thanked support provided by IM Sciences and students for attending.

Speech:

Naeem Safi, Project Director of SDC, was invited for the main speech. Naeem Safi explained the reasons of approaching the Higher Education institutions for work in Cultural Industries. He expressed that Higher Education leads the society and provides solutions to the problems faced by society through research and analysis. In this regard, quality research of Higher Education Institutions could provide authentic and workable solutions to challenges faced by Cultural Industries. He also explained the need of cultural identity in light of UNESCO charter about Culture identity.

Seminar concluded at 11:45am. SDC was invited for tea and refreshments by Ms. Shabana to tea club.

Informal discussions over Tea:

While having tea and refreshment, informal discussion about cultural industries initiated between SDC team and IM Sciences faculty namely Ms. Shabana Gul, Mr. Waseef Jamal, Mr. Javed Iqbal, and Mr. Zafar Habib.

Ms. Shabana highlighted IM Sciences' featured events as well as number of researches that are currently underway. Naeem Safi further explained the areas of culinary heritage and identified areas of culture industries that could be capitalized.

It was agreed that focus group discussions should be started following this seminar, to further extend knowledge of cultural industries and the support that IM Sciences can provide in this regard.

Mr. Waseef & Mr. Zafar accompanied SDC team to departure gate.

SWAT'S ISLAMPUR SHAWL INDUSTRY

The Islampur village is in between the beautiful mountains of Marghazar, Swat. A tourist spot, not only famous for its natural beauty, but also for handmade shawls, blankets and clothes. More than 40,000 people are engaged with this industry.

Males and females both have skills of making different types of woolen embroidery shawls, blankets which are very popular all over the world. These beautiful shawls are made in the small industry established at the local villager's homes, on locally embroidery machines named as (Kaddi, handspun, spinning wheel etc.).

Go to Content Page

CAN YOU UNDERSTAND THE WORDS I UTTER?

Zubair Torwali

It will be an understatement to say that language is a tool of communication. It is the bearer of one's identity, a source of empowerment for the people who converse in that language. Mother tongue is called what it is called for a reason; it embeds one's socio-cultural experiences of the land one belongs to. Over 60 languages are spoken in Pakistan, a nation who is not only the signatory of international covenants on linguistic and ethnic minority rights but also claims to be the caterer of different languages.

Traditional models of education which bypass, deny or belittle mother tongues create animosity, ambivalence and identity loss on the part of minority language communities because questions of identity, nationhood and power are very closely linked with the language used in schools.

World Bank in its paper on Education for All (2005) declares, "Fifty percent of the world's out-of-school children live in communities where the language of schooling is rarely, if ever, used at home. This underscores the biggest challenge to achieving Education for All (EFA) - a legacy of non-productive practices that lead to low levels of learning and high levels of dropout and repetition."

Similarly UNESCO found out in the research called Education in a Multilingual World (2002), "The choice of language is a recurrent challenge in the development of quality education. Speakers of mother tongues, which are not the same as the national language speakers, are often at a considerable disadvantage in the educational system."

What's the idea?

Having explained the prevalent scenarios, one may wonder what is mother tongue and what sort of an educational system are we talking about? The idea is simple; the use of mother tongue paired with other languages to pave way for better educated and not-discriminated-against people.

Mother tongue based education means the use of learner's mother tongue as the medium of instruction. Mother tongue instruction covers both the teaching of and the teaching through this language, while multilingual education usually refers to the use of more than two languages as mediums of instruction in education. In most cases 'bilingual' and 'multilingual' education are treated as synonyms. Mother tongue based multilingual education (MTB-MLE) refers to the use of mother tongue in education as medium of instruction along with other languages. In it the use of mother tongue in education precedes other languages. The second and third languages are included at a later stage.

The experts and advocates of mother tongue based multilingual education suggest that the learners should be taught in their mother tongue, particularly in the early education stage, because it helps them grow well cognitively by connecting their pre-knowledge and culture with the school environment. Research around the world in this regard suggest that mother tongue based education retains the learners and reduces the rate of drop-outs.

MTB-MLE usually starts in the learners' early education stage. In the first year graded literacy in mother tongue is introduced. Later, in the second year, second and third languages are introduced orally. In the next stages the use of mother tongue is gradually replaced with a graded use of the second and third languages. But before starting the second and third languages an effective transition is ensured through effective 'bridging', which involves a comparison of the second and third languages. The reading and teaching materials are developed incorporating the learners' culture. The philosophy is the same from easy to difficult, from concrete to abstract and from part to whole and whole to part.

In most of the MTB-MLE programs around the world, generally the 'two track' pedagogical system is used. Focus is shared both on 'meaning' and 'accuracy'. In other words both primer and story tracks go simultaneously.

The two sides of it

The idea of MTB-MLE is easy and appealing but implementation is quite another matter. Apart from the various political and sociolinguistic issues, there are technical aspects which need to be attended to.

In educational discourse language is a determining factor. In Pakistan youth lags behind owing to the language barrier. English is deemed not only the language of power and economy but of the social status. The case is not only with English but also with other languages spoken at various schools. For instance, in Torwali in Swat valley Pakistan, the research says that none of the graduates has got a job in civil services till now. But just 10 km away, in Madyan, a Pashto speaking town, there are scores of doctors, lecturers and civil servants. Why the chasm? Is it because the people of Madyan are smarter than Torwali? The research says that it was the language that played its part; the teachers spoke Pashto and Torwali students were looked down upon. Torwali students felt uneasy and regarded the school environment as 'alien', thus the drop outs ratios also increased.

Is multilingual education worth the effort?

Education in one's own mother tongue can surely do the job. It can ensure quality in education and can bring social integration. It can foster peace by bringing positive changes in attitudes towards minority languages and cultures.

A multilingual education program requires supportive policies; planning and funding in the first place. In the next phase it needs initial language development. When the language is researched and written, the next step is to develop a curriculum with effective transition materials. Along with this training, supervision and administration will be needed; and finally an effective evaluation strategy. A sustainable multilingual education program can be developed by the state.

What about other factors?

There are several concerns one may have regarding the implementation of mother tongue based educational system. One may ask if education in more than one language will threaten national integration? Isn't mother tongue based education is too expensive for the developing countries to afford? Do we have experts for curriculum development?

The reality is that Pakistan seems obsessed with 'unnatural' national unity at the expense of killing the diversity of identities and this exclusive policy basically threatens national cohesion. Giving due share to every identity will unify diverse cultures.

As far as the project costs are concerned, it can be easily catered to by efficient resource allocation, by cutting short other useless expenses. Plus there are many INGOs and UN agencies such as UNESCO and UNICEF among others which can help with providing the experts, once the state agrees to implement the system.

Mother tongues thus need their breathing space, not only for the recognition of diverse identities that exist in Pakistan but for a bigger national cause as well. There is a lot to be done on the policy level and all can but hope that the government may take some practical steps for implementing mother tongue based multilingual education programs.

Zubair Torwali is a Researcher, writer, activist who leads Idara Baraye Taleem-o-Taraqi (IBT), a local organization working on education, language and culture

References:

- Baker, Colin. 1996. Foundations of bilingual education and bilingualism. Clevedon, England: Multilingual Matters.
- Cummins, Jim. 2000. Beyond adversarial discourse: searching for common ground in the education of bilingual students. In The politics of multicultural and bilingual education students and teachers caught in the cross fire, edited by Carlos J. Ovando and Peter McLaren, 126-147. Boston: McGraw-Hill.
- Patrinos, Harry and Eduardo Velez. 1996. Costs and benefits of bilingual education in
- Guatemala: a partial analysis. (Unpublished research report). Washington D.C.: The World Bank.
- Constitution of Pakistan, 1973
- UNESCO Position paper on Multilingual Education, 2003
- Education in a Multilingual World, UNESCO, 2002: http://unesdoc.unesco.org/images/0012/001297/129728e.pdf
- In their own language…Education for all. ((World Bank. 2005).
- Early Childhood Education, MoE, Pakistan 2007
- National Education Policy, 2009

THE START OF FORMAL ART EDUCATION IN KHYBER PAKHTUNKHWA.

Fazal Sattar Durrani

The present KP, previously known as NWFP was separated from Afghanistan in 1893 by the Durand Line into India, and made a separate province in 1901. It was previously Gandhara, the center of Art & Civilization, and centers of Art Creativity were everywhere across the region. These Art Cultures died with the arrival of Huns and Hindhuism, and later on Muslim rule also did not contribute to Art training and education here.

It was in 1964, that a girl named "KokabJehan" daughter of a Bengali professor, Ch. Muhammad Ali who was the Vice Chancellor of Peshawar University at that time, asked her father of her wish to have her higher education in Art, without leaving her family.

The Bengali professor looked back to his native, Dacca University, and requested Prof. ZainUlAbideen to help in starting the Department of Fine Arts in Peshawar University.

ZainUlAbideen joined Peshawar University, and on 20th September of 1964, the Department of Fine Arts was established. Initially free courses were offered, and it started its activity at STC with 40 students. After some time diploma courses were announced and 10 students registered for the course. KokabJehan and KhatirGhaznavi were amoung the ten students.

Proper opening of the department was done on 20th September 1964 in a ceremony, and five guests were on the stage. The chief guest was Ch. Muhammad Ali, VC Peshawar University, while other guests of honor on the stage were AbdurRehmanChugtai, Shakir Ali, Ghani Khan, and ZainUlAbideen.

Prof. ZainUlAbideen was called back after 6 months by Dacca University. He brought with him his talented student RafiqueHussain as an instructor. After ZainUlAbideen, Ahmad HasanDani was the acting chairman of the department, when Prof. JamilaZaidi joined in 1968 as chair person. Tayyaba Aziz and SaleemKhattak, probably got registered in the same year. After JamilaZaidi, RafiqueHussain took charge of the department as Head, and remained till 1974.

After creation of Bangladesh, ZainUlAbideen was declared as National Artist of Bangladesh, and FidaullahSehri took charge for a brief period. He was replaced by Prof. Mushtaq. It was in 1988 that Tayyaba Aziz took charge as Head of Department. After Tayyaba Aziz, GhazalaMisbah and Saeedullah Babar remained the Heads. Prof. Tayyaba took back charge of the department in 2007 till her retirement. She is followed by the present HoDYounasMasood. Prof. Tayyaba changed the name of the department to Art & Design in 2008.

There are only three people responsible for starting of the formal Art education in KP:

1. Prof Dr. Ch. Muhammad Ali from Dept. of Fine Arts in 20/9/1964 and Zain Ul Abideen (VC Peshawar University) (Founding chair person).

2. Prof Dr. Ihsan Ali (Sitara e Imtiaz) Dept. of Art & Design in 2007 and Tayyaba Aziz (VC Hazara University) (Founding chair person).

3. Prof Dr. Ihsan Ali (Sitara e Imtiaz) (VC AWKUM) PCA in 20/9/2014 and Fazli Sattar Durrani Exactly 5 years (Founding Principal) after Peshawar department.

4. Dr. Khalid Khan Women University in 2016 and Sadia Riaz (Swabi).

Some of the important Art personalities produced by the Department of Art & Design, University of Peshawar:

Prof. Khatir Ghaznavi, Asst Prof. Tayyaba Aziz, Saleem Khattak, Nazara, Dr. Ghazala Misbah, Amna Patodi, Saeedullah Babar, Fareeda Bashir/ Rashid, Abbas Ali, Prof. Fazli Sattar Durrani, Sajjad Orakzai, Younas Masood, Ali Sajid, Sadia Riaz, Pir Hamid Kheshgi, Muhammad Ahsan Zeb, Aurangzeb Mashvani.

Note:

This is the first brief about Formal Higher Education in Art in Design in KP. The writer is the second Associate Professor after his teacher Prof. Tayyaba Aziz.

RIVAVAL OF INDEGINOUS HERITAGE CULTURE (RICH)

Arshad Hussain

INTRO

Revival of Indigenous Cultural Heritage (RICH) is a project focusing on the province of Khyber Pakhtunkhwa.

RICH initiated diverse cultural festivals and activities with the help of local arts & culture organizations, councils, NGOs and CBOs (Implementing Partners) and aimed to be participatory in nature and received positively by the local communities. The project worked as a catalyst in identifying and reviving the celebration of the diverse and indigenous.

RICH project also aimed to document all human cultural assets and made a comprehensive online database available to researchers, scholars, policy makers, and anyone with interest in culture of this region.

RICH is a project which connected all the implementing partners and professionals with anthropologists, sociologists, intellectuals, and other social scientists. This project is a national asset and is designed to have a continuous and sustainable growth.

Revival of indigenous cultural heritage project of directorate of culture is a unique initiative that aims to encourage cultural activities at district & tehsil level in the province.

The aims to revive past traditions and practices which were core values handed down to the present generation by our forefathers. Team RICH of directorate of culture is managing and coordinating the project with various implementing partner organizations in 25 districts & 74 Tehsils of the province. Explaining the significance of the project RICH, project unit informed that such activities at district, tehsil & grass root level at communities are essential to instill a sense of identity, place and pride in the local people. Moreover, such activities pave way for a sustainable peace and more necessarily it fulfills aesthetic needs of humans.

The RICH project aims to revive and promote indigenous arts, crafts, literature , cuisines, new media, festivals, ceremonials , festivities ,interactive theater ,Sufi traditions, melas and indigenous games . Multiple events have been taken place in all districts of the province at tehsils level, simultaneously drawing impressive crowd turnover. Directorate of culture role is essentially to design the project, capacity building of grass root level cultural organizations, arts councils, literary societies, women & youth groups, technical assistance, financial funds and monitoring & evaluation besides provision of publicity, information & promotional material. The implementing partners were responsible for organizing events in their respective regions and their performance in turn is monitored by Directorate of Culture staff & third party evaluation consultants on the basis of narrative & financial reports, events images and video proofs as deliverables.

The RICH project provides opportunities to ordinary people to celebrate their own cultures. The project has been well received and hopefully will go a long way in establishing a peaceful and softer image of the province besides upholding our core cultural value.

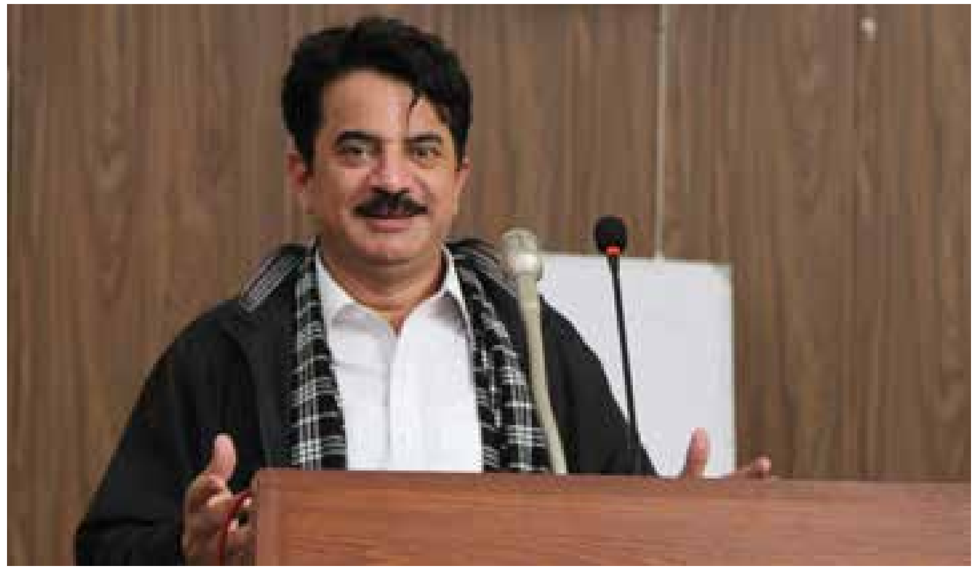

LANGARI :(لنګري)

Atteeq Ur Rehman Khan Yousafzai

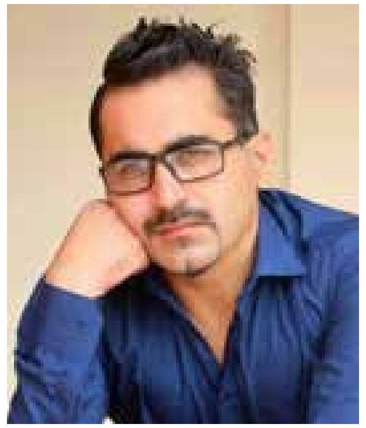

Langari is an ancient traditional game of District Swabi, People from Utman (Yousafzai tribe) used to play this game mostly at night, during winter, when men used to gather in Hujras. The game is inherited from ancestors, in 1980s it was a common game in all the hujras of district Swabi.

The game can be played in two different ways, one as a card board game, where the players have to reach the goal, the player who used to reach the goal first was considered to be the winner, however one have to go back to square one “Start” when an opponent passes by you.

Another way of playing Langari was to set a Goal point’s target, the player who achieved the target points was considered to be the winner.

The game was usually played for recreational purposes in hujras, it is said that out of four players / groups the loosing player / group would use to prepare sweet dishes like “Halwa” for the winner or winning group at the end of the game. People from different villages of the district told different stories, but most of them remembered it till the end of 80s, however the game transformed in an existing game played as Ludo in 1990s.

Gameplay:

- Board:

Two to Four players or four groups of players can play the game.

Starting from player 1 or group 1, every player has to play the sticks turn after turn and move the piece accordingly, one who finishes the race wins the game. The game could end here or can be continued for a 2nd and 3rd position, leaving one as a looser.

- Score Point:

Two or more than two players or groups of players can play the game.

Starting from player 1 or group 1, every player / group has to play the sticks turn after turn and note the score on a score board, the player or group who scores the score point decided for winning wins the game. The game could be ended here or continued for a 2nd and 3rd positions.

Rules:

Moves and Points:

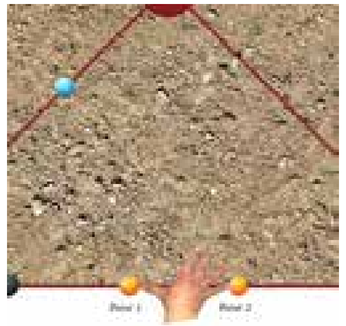

1 Leasht (extend your hand and make a move from pinky to thumb) move forward 1 leashth
Or
1 Point
4x Leashths
also called (Speen “White” Prak) move forward 4 leashths
Or

4 Points
8x Leashts
also called (Tor “Black” Prak) move forward 8 leashts

Sapak move a distance covered by combining four fingers together
Or
It’s a miss you earn no points

Dwa Guthi move forward using index and middle finger together widthwise
Or

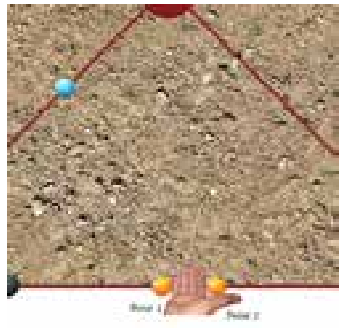

It’s a miss you earn no points

Playing Turn:

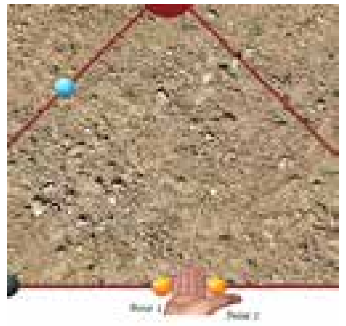

Game Board:

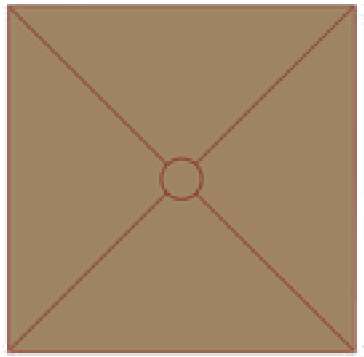

RIAZ AHMAD
WAX PAINTER

Wax Painting is a unique art of making prints on clothes from tree wax. It is believed that this art has come through Silk Road and in one time Kabul is known to be its center.

Riaz Ahmed, born in 1951, learnt this art at a younger age from his forefathers. And now from the last 57 years he is still performing it and transferring his skills to others. For the last twenty years he is demonstrating his art skills in Lok Virsa.

In 2012 he was awarded with Tamgha Imtiaz, Pakistan's highest civil award.

Go to Content Page

DIRECTORATE OF CULTURE
GOVERNMENT OF KHYBER PAKHTUNKHWA

Phone: +92 91 921 1200
Fax: +92 91 921 1220
Directorate Of Culture, Nishtar Hall Government of Khyber Pakhtunkhwa